ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 12)
غیرت کا معاملہ
(تحریر حسام بٹ)
سسپنس ڈائجسٹ : اگست 2008
عقیل قریشی۔ یاسر حسنین
ناصر بلوچ۔ صائم بھائی
محمد سجاد بھٹی

غیرت کا معاملہ

ملک صفدر حیات

ایک ناتواں ' نیم جاں کے اشتعال کا احوال۔
غیرت کے پیہم تقاضے... اورطعنے اس کے دامن کو داغ دار کیے ہوئے تھے۔
اس نے ان داغوں کو خون سے دھونے کی کوشش کی تھی۔

ملک صاحب کی یادداشتوں سے ایک خونچکاں روداد

ایک روز میں تھانے پہنچا تو پتا چلا کہ کسی عارف نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر چونکا دینے والی ہونے کے علاوہ خاصی واہیات بھی تھی۔ میں نے آج تک کسی عورت کا نام عارف نہیں سنا تھا لہٰذا اطلاع لے کر آنے والے کو میں نے اپنے کمرے میں بلالیا۔

اس شخص کا نام یوسف حلوائی تھا۔ عمر لگ بھگ چالیس سال، قد صرف پانچ فٹ۔ اس پست قامتی پر اس نے اپنے وزن کو بڑی فراخ دلی سے بڑھا رکھا تھا، شاید یہ اس کے پیشے کے اثرات تھے۔ حلوائی چاہے خود مٹھائی کھائے یا نہ کھائے، وہ اس نعمتِ شیریں کو سونگھ سونگھ کر ہی فربہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ میں نے بہت کم مٹھائی فروشوں کو دبلا پتلا دیکھا ہے۔ یوسف حلوائی پر نگاہ پڑتے ہی میرے ذہن میں کسی کنگ سائز فٹ بال کا تصور ابھرا تھا...... وہ کچھ ایسا ہی گول مٹول اور مضحکہ خیز تھا۔

میں نے اسے ایک چوبی بنچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''یوسف! کیا تم یہ بتانے آئے ہو کہ عارف نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے؟''

''ج...... جی ہاں......!'' وہ ہچکچاہٹ آمیز انداز میں بولا۔

میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔ ''اور عارف کے شوہر کا نام کیا ہے؟''

''شاہدہ!'' وہ سادگی سے بولا۔

''لگتا ہے، بدن کے ساتھ ساتھ تمہاری عقل بھی موٹی ہوگئی ہے...... بلکہ تمہاری عقل کی توند بھی نکل آئی ہے۔'' میں نے یوسف حلوائی کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''او بے وقوف! کیا کوئی عورت کسی مرد کا شوہر ہوسکتی ہے یا کوئی مرد کسی عورت کی بیوی ہوسکتا ہے؟''

''جی...... ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔'' وہ متذبذب انداز میں بولا ''لیکن ان میاں بیوی کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔''

اس کے جواب نے مجھے مزید الجھا دیا۔ میں نے اپنی الجھن دور کرنے کے لیے نہایت ہی آسان الفاظ میں یوسف حلوائی سے استفسار کیا ''یعنی تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ بیوی نے مردوں والا نام عارف اور شوہر نے عورتوں والا نام شاہدہ رکھا ہوا ہے؟''

''بالکل نہیں جناب!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''عارف ایک مرد ہے اور شاہدہ ایک عورت لیکن عارف، شاہدہ کی بیوی بن کر زندگی گزار رہا تھا، اس میں شوہروں والا رعب داب اور سختی نظر ہی نہیں آتی جب کہ شاہدہ بڑی دھانسو قسم کی عورت تھی، بالکل شوہروں کی طرح اس نے عارف کو دبا رکھا تھا۔ وہ اس کے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔ شاہدہ اسے اپنے اشاروں پر نچاتی تھی......'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا اور پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔ ''ان میاں بیوی کی انہی حرکتوں کو دیکھ کر لوگ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ عارف، شاہدہ کی بیوی بن کر زندگی گزار رہا ہے اور شاہدہ اس پر شوہروں کی طرح حکم رانی کرتی ہے۔ یہ بات اور تاثر اتنا عام ہے کہ بے ساختہ میں نے بھی کہہ دیا عارف نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔''

میں نے پوری توجہ سے یوسف حلوائی کی وضاحت سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''اب بات آئی ہے سمجھ میں...... مجھے نہیں معلوم تھا، یہاں ان میاں بیوی کی شہرت کیسی ہے!''

''آپ کو یہ بات اس لیے بھی عجیب اور نئی لگی کہ آپ اس علاقے میں نئے آئے ہیں۔'' یوسف نے قدرے مضبوط لہجے میں کہا۔

اور اس نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ مجھے اس قصبے میں تعینات ہوئے چند دن ہی ہوئے تھے۔ بخت پور نامی وہ قصبہ ضلع جھنگ میں واقع تھا۔ وہ ایک بھرا پرا قصبہ تھا جہاں

میرے محتاط اندازے کے مطابق، دوسو، سوا دوسو گھر آباد تھے۔

میں نے آگے بڑھنے سے پہلے یوسف حلوائی سے پوچھا۔ ''تو اب صورتِ حال یہ ہے کہ عارف نے اپنی بیوی کو قتل کردیا ہے اور تم قتل کی اس واردات کی اطلاع لے کر میرے پاس آئے ہو؟''

''جی...... جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''بالکل یہی بات ہے۔''

میں نے جائے وقوعہ کی جانب روانہ ہونے سے پہلے یوسف حلوائی سے چند اہم سوالات کیے تاکہ اندازہ قائم کرسکوں کہ یوسف اور عارف کا آپس میں کیا تعلق ہے اور اسے کیسے پتا چلا کہ عارف نے اپنی بیوی شاہدہ کو قتل کردیا ہے۔ میرے ان سوالات کے جواب میں اس نے جو معلومات فراہم کیں اس کا خلاصہ یہ ہے۔

یوسف حلوائی کی دکان قصبہ بخت پور کے مین بازار میں تھی اور اس کی دکان کے ساتھ ہی عارف کی دکان تھی۔ عارف اپنی دکان میں تکے کباب وغیرہ فروخت کرتا تھا۔ کاروبار کے لحاظ سے دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی تھے لہٰذا ان میں اچھی خاصی بے تکلفی پائی جاتی تھی۔ یوسف کو ہمدرد اور مخلص دوست سمجھتے ہوئے عارف اس سے اپنے دکھ بیان کرتا رہتا تھا۔ یوسف کو عارف کی بے بسی، بے چارگی اور کسمپرسی کا پورا احساس تھا لیکن وہ اس کی مشکلات کو دور کرنے یا کم کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ یوسف خود بھی شادی شدہ تھا اور اس بات کا اسے بہ خوبی احساس تھا کہ میاں بیوی کا معاملہ بہت ہی نازک ہوتا ہے اور اس معاملے میں کسی تیسرے آدمی کی براہِ راست مداخلت ہمیشہ خطرناک نتائج ہی لاتی ہے۔ اس کی یہ سوچ بڑی ہی معقول تھی۔

جس حد تک ممکن تھا، یوسف اسے مشورے دیتا رہا لیکن اس کی بتائی ہوئی ہر ترکیب ناکام رہی۔ عارف نے شاہدہ کو قابو کرنے کی جتنی کوشش کی وہ اتنی ہی بے قابو ہوتی چلی گئی۔ جب اس کی خودسری، سرکشی اور من مانی حد سے تجاوز کرگئی تو عارف کو اس کے کردار پر شبہ ہونے لگا۔ اپنے اس درد کو اس نے یوسف حلوائی سے بھی شیئر کیا۔ یوسف بھی یہ سن کر گہری تشویش میں مبتلا ہوگیا۔ اس نے فکرمند لہجے میں کہا۔

''یار! تم شاہدہ کی حرکتوں اور زیادتیوں سے پہلے ہی بہت پریشان تھے اور اب یہ ایک نئی ہولناک خبر سنا رہے ہو۔''

''یار! سمجھ میں نہیں آرہا، میں کیا کروں!'' عارف نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''تمہیں صرف شک ہے یا......؟'' یوسف نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

عارف ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''پہلے میں سمجھا کہ شاید مجھے وہم ہوا ہے لیکن چند روز تک جب میں نے اس جانب خصوصی توجہ دی تو میرا وہم پہلے شک میں بدلا اور اب تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ شاہدہ غلط راہ پر چل رہی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں یوسف!''

''یہ بات ہی پریشانی کی ہے۔'' یوسف نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''میرا مشورہ مانو...... تم اس موضوع پر تنہائی میں شاہدہ سے بات کرو اور اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔''

''میں ایسی ایک کوشش کرچکا ہوں۔''

''پھر کیا نتیجہ برآمد ہوا؟''

''کچھ بھی نہیں!''

''کیا مطلب؟'' یوسف نے الجھن زدہ انداز میں سوال کیا۔

عارف نے بے بسی سے جواب دیا۔ ''نتیجہ تو اس وقت برآمد ہوتا ہے جب سامنے والا کوئی بات سننے کو تیار ہو۔ میں نے بڑی نرمی سے بات کی لیکن شاہدہ بھڑک اٹھی۔ الٹا اس نے مجھے ہی برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ کہنے لگی کہ تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے جو میرے بارے میں ایسا سوچ رہے ہو۔ تمہیں یہ سب کہتے ہوئے شرم نہیں آئی...... بے شرم کہیں کے؟''

''اوہ......!'' عارف کی بات سن کر یوسف نے ایک تشویش بھری سانس خارج کی۔ ''یہ تو کام ہی خراب ہوگیا!''

ان کے درمیان چند لمحات تک گمبھیر خاموشی چھائی رہی پھر یوسف نے پوچھا۔

''ان حالات میں تم نے کیا سوچا ہے عارف؟''

''میری تو سوچ اور سمجھ کام ہی نہیں کررہی۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامتے ہوئے بولا۔

''تو پھر میرا ایک مشورہ مانو۔'' یوسف نے بردباری سے کہا۔ ''تمہاری شادی کو لگ بھگ چار سال ہوگئے ہیں اور ابھی تک کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی۔ انسان اولاد کے ہاتھوں مجبور ہوکر اپنے شریکِ حیات کی زیادتی اور ظلم برداشت کرتا رہتا ہے۔ تمہارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری یا مسئلہ نہیں ہے...... تو پھر گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ اس شے سے نجات حاصل کرلی جائے جس نے زندگی میں

زہر بھر دیا ہو۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں یوسف!'' عارف نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''یار! یہ بات میرے ذہن میں بھی آئی تھی کہ شاہدہ کو طلاق دے کر اپنی زندگی کی اذیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کردوں لیکن یہ بتاؤ...... گزرے ہوئے چار سالوں کا حساب کون دے گا؟''

''چار سال کا حساب؟'' یوسف حلوائی نے چونک کر عارف کبابیہ کی طرف دیکھا۔

عارف نے معنی خیز انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی اور پُراسرار انداز میں بولا۔ ''ان چار سالوں میں، میں ہر رات مرا ہوں اور ہر صبح مجھے دوبارہ زندہ ہونا پڑا ہے۔ میں نے شاہدہ کا ہر ظلم، زیادتی اور بے ہودگی برداشت کی۔ میں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ لوگوں کو ہمارے لڑائی جھگڑے کی خبر نہ ہو۔ مجھے اپنی خالہ کی باتیں بھی یاد آجاتی تھیں۔ تم جانتے ہو نا یوسف! شاہدہ میری خالہ کی بیٹی ہے......؟''

یوسف حلوائی نے اثبات میں گردن ہلائی، عارف سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''کنیز خالہ نے مرتے وقت مجھ سے کہا تھا، میری ایک ہی بیٹی ہے اور یہ میں تمہارے حوالے کر رہی ہوں۔ تم ہر طرح سے اس کا خیال رکھنا۔ خالہ، امی کی چھوٹی اور بڑی لاڈلی بہن تھی۔ اب تو یہ دونوں بہنیں اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ ابھی پچھلے سال ہی امی کا انتقال ہوا ہے۔ میں محض کنیز خالہ کی وجہ سے شاہدہ کو...... اور اس کی ہر بے ہودگی کو برداشت کر رہا تھا لیکن اب میری برداشت کی حد ختم ہوگئی ہے۔ میں جس خالہ کی وجہ سے یہ اذیت اور تکلیف جھیل رہا تھا وہ قبر میں اتر گئی۔ اب اگر میں......!'' وہ ڈرامائی انداز میں رکا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔ ''اب اگر میں شاہدہ کو طلاق دے کر اپنی زندگی سے نکال دوں تو وہ تو آزاد ہو جائے گی لیکن میں نے پچھلے چار سالوں میں پل پل جو زہر پیا ہے اس کا حساب کون دے گا...... میں شاہدہ کو اتنی آسانی سے آزاد نہیں کر سکتا!''

یوسف نے محسوس کیا کہ عارف کا لہجہ یک دم سنگین ہوگیا تھا۔ اس نے تشویش ناک لہجے میں دریافت کیا۔ ''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟''

''میں شاہدہ کو نہیں چھوڑوں گا!'' وہ اٹل لہجے میں بولا۔

''اچھا...... یعنی اسی اذیت ناک صورتِ حال میں جیتے رہو گے؟''

''ہاں!'' عارف نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''کچھ دنوں تک تو اسی کیفیت میں جینا ہوگا!''

یوسف نے عارف کی باتوں کی قطعیت سے یہ تو محسوس کرلیا تھا کہ وہ اپنے طور پر شاہدہ کے حوالے سے کوئی حتمی فیصلہ کرچکا ہے۔ فیصلہ کیا تھا......؟ بس، یہ جاننا باقی تھا۔ عارف نے اس کے استفسار کے جواب میں کہا۔

''یار یوسف! میں تم سے ہر قسم کی بات کرلیتا ہوں اس لیے یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ میں نے شاہدہ کے بارے میں کیا سوچا ہے۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے اس نے بتایا۔ ''میں نے شاہدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو اسے ختم کردوں گا...... نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری!''

یوسف نے تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''یعنی، تمہارا مطلب ہے...... قتل؟''

''ہاں، میرا یہی مطلب ہے!'' وہ بے رحمی سے بولا۔

یوسف نے پوچھا۔ ''جانتے ہو، تمہاری اس حرکت کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟''

''مجھے کسی نتیجے کی فکر نہیں!'' وہ بے پروائی سے بولا۔

یوسف نے حقِ دوستی نبھاتے ہوئے کہا۔ ''عارف! اگر تم نے شاہدہ کو قتل کردیا تو تمہاری باقی کی زندگی جیل میں گزرے گی۔''

''تو کیا تمہارے خیال میں، میں پچھلے چار سال سے جنت میں رہ رہا ہوں!'' عارف نے تلخی سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے، جیل کی زندگی میری موجودہ زندگی سے کہیں بہتر ہوگی۔''

یوسف نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''یار! میں تمہاری اس خطرناک سوچ کی حمایت نہیں کروں گا۔ گھریلو پریشانیوں نے تمہارے دماغ پر بڑا منفی اثر ڈالا ہے۔''

''میں تم سے حمایت کی درخواست کر بھی نہیں رہا۔'' عارف جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔ ''اور یہ تم نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے کہ میرے دماغ پر بڑے منفی اثرات ہوئے ہیں......'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''یار یوسف! تپش وہیں محسوس ہوتی ہے جہاں آگ جل رہی ہو۔ میں اپنے حالات کو بہتر طور پر سمجھتا ہوں...... تم صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ مجھے یقین ہے، میری جگہ اگر تم ہوتے تو تمہارا فیصلہ بھی کچھ اسی نوعیت کا ہوتا!''

یوسف کو واضح طور پر نظر آنے لگا کہ عارف اپنی ضد سے باز نہیں آئے گا۔ اس کے انداز و اطوار سے جنونی کیفیت

جھلکتی تھی۔ بہر حال، اس نے اپنا فرض نبھاتے ہوئے اتمامِ حجت ضروری جانا اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''عارف! ابھی تم نے اپنے جن خوف ناک عزائم کا اظہار کیا ہے، وہ مشروط ہیں......''

''مشروط ہیں...... کیا مطلب؟'' عارف نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

یوسف وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''تم نے بڑے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ اگر تم نے شاہدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو اسے جان سے مار دوگے۔ فرض کرو......!'' یوسف نے ذرا رک کر ایک گہری سانس خارج کی اور اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''فرض کرو، تم شاہدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ تو پھر تم کیا کروگے؟''

''اول تو اس بات کی بالکل امید نہیں کہ میں کام یاب نہ ہوں۔'' عارف نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''اور اگر ایسا ہوا تو بعد کی بعد میں سوچوں گا!''

یوسف خاموشی...۔ سے اسے دیکھتا چلا گیا۔ عارف صحت اور جثے کے اعتبار سے ایسا نظر نہیں آتا تھا کہ وہ غیرت کے نام پر کوئی بڑا ''کارنامہ'' انجام دے سکے۔ اگر اس میں مردوں اور شوہروں والی روایتی خوبو ہوتی تو لوگ اسے شاہدہ کی بیوی مشہور کرنے کی جراُت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ایک کم زور اور دبو قسم کا شوہر تھا لہٰذا یوسف نے اس کی خطرناک انتقامی باتوں کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا۔ یوسف خود بھی اسی قصبے میں رہتا تھا لیکن شاہدہ کے کردار سے متعلق اس نے اس سے پہلے کسی کے منہ سے ایسا کچھ نہیں سنا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ شاہدہ تیز، بدمزاج اور سرکش قسم کی بیوی تھی لیکن اس کے بے وفائی کا مرتکب ہونے کی اطلاع یوسف کے لیے حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین تھی۔

آئندہ چند روز تک ان کے درمیان شاہدہ کے حوالے سے کوئی بات نہیں ہوئی بلکہ عارف نے اپنی گھریلو پریشانیوں کا تذکرہ موقوف کر دیا تھا۔ یوسف کو عارف کی اس پُراسرار خاموشی پر حیرت بھی ہوئی لیکن اس نے اسے کریدنا یا ٹٹولنا مناسب نہ سمجھا۔

اور اب یوسف حلوائی میرے سامنے بیٹھا تھا۔

☆☆☆

جائے وقوعہ یعنی عارف کا گھر میرے تھانے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ میں نے ضروری تیاری کے بعد حوالدار نصیر شاہ کو اپنے ساتھ لیا اور جائے واردات کی جانب روانہ ہو گیا۔ اطلاع کنندہ یوسف حلوائی کو بھی میں نے اپنے ہمراہ لے لیا تھا۔

راستے میں، میں نے اس سے سوال کیا۔ ''تم دونوں کے درمیان شاہدہ کے حوالے سے وہ خطرناک گفتگو کتنا عرصہ پہلے ہوئی تھی؟''

''یہی کوئی بارہ پندرہ دن پہلے۔'' اس نے سوچ کر جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''شاہدہ کا قتل تو یہی ظاہر کرتا ہے کہ عارف نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا؟''

''مجھے بھی یہی لگ رہا ہے جناب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''یوسف!'' میں نے گمبھیر انداز میں سوال کیا۔ ''تمہیں یہ کس طرح پتا چلا کہ عارف نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا ہے۔ کیا تم اس کے پڑوس میں رہتے ہو؟''

''وہ میرے گھر سے کئی گلیاں دور رہتا ہے۔'' اس نے سادہ سے لہجے میں بتایا۔

''اس کا مطلب ہے، آج تم صبح اس کے گھر گئے تھے۔ ہیں نا؟''

''جی ہاں'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''مجھے ایک ضروری کام سے اس کے گھر جانا پڑا تھا۔''

''اور وہ ضروری کام کیا تھا؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ لمحاتی خاموشی کے بعد گویا ہوا۔ ''کچھ عرصہ پہلے عارف نے مجھ سے تین سو روپے ادھار لیے تھے۔ کل میں نے اس سے اپنی رقم واپس مانگی۔ مجھے اچانک ان روپوں کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ عارف نے کہا، اس وقت تو میرے پاس رقم نہیں ہے۔ تم ایسا کرو، کل صبح میرے گھر آ جاؤ۔ میں تمہیں تین سو روپے دے دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تاکید کی کہ میں صبح ذرا جلدی اس کے پاس آؤں کیونکہ اسے کہیں جانا ہے......'' وہ سانس لینے کے لیے رکا پھر بولا۔

''چنانچہ...... میں آج صبح اس کے گھر پہنچ گیا۔ مجھے امید تھی کہ عارف اس وقت تک جاگ چکا ہوگا۔ میں نے اس کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب تھوڑی دیر تک دروازہ نہیں کھلا تو میں نے دوبارہ دستک دی۔ اس مرتبہ بھی اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ مجھے تشویش ہوئی کہ عارف دروازہ کیوں نہیں کھول رہا۔ ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ کہیں وہ گھر سے چلا تو نہیں گیا؟

تیسری بار میں نے ذرا زور کی دستک دی اور اس کے ساتھ ہی گھر کے بیرونی دروازے پر زور ڈالا اور اسی لمحے یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ دروازہ بند نہیں تھا۔ میرے ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ کھلتا چلا گیا۔ میں نے عارف کو پکارتے ہوئے بے ساختہ گھر کے اندر قدم رکھا لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس گھر میں کوئی بھی موجود نہ ہو۔ اس صورت حال نے میرے اندر تجسس جگایا کہ مجھے آگے بڑھ کر دیکھنا چاہیے، عارف کے گھر میں آج یہ کیسی ویرانی چھائی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ مجھے بلا اجازت یوں کسی کے گھر میں نہیں گھسنا چاہیے تھا لیکن پتا نہیں کیوں، مجھے اس وقت خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر ایک کمرے میں......!''

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر جھرجھری لی اور خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ایک کمرے میں، میں نے شاہدہ کو مردہ حالت میں پڑے دیکھا۔ اس کی گردن کٹی ہوئی تھی اور......!''

وہ ایک مرتبہ پھر جملہ نامکمل چھوڑ کر خاموش ہوگیا۔ میں گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ یوسف حلوائی ان لمحات میں خوف زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ میں چند لمحات تک بغور اس کی کیفیت کا جائزہ لیتا رہا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ ''شاہدہ کو مردہ حالت میں دیکھ کر تم نے سمجھا کہ عارف نے اسے قتل کر دیا ہے...... اور تم اس واقعے کی اطلاع دینے تھانے پہنچ گئے۔ یہی بات ہے نا؟''

''ج...... جی ہاں...... یہی بات ہے!'' وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''تمہیں گھر میں عارف بھی کہیں دکھائی دیا؟''

''نہیں جناب!'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''عارف مجھے وہاں نظر نہیں آیا۔''

''تم نے وہاں کتنا وقت گزارا؟'' میں نے سوال کیا۔

''دو چار منٹ......'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ''شاہدہ کی لاش دیکھ کر میں فوراً گھر سے نکل آیا پھر تھانے کی جانب چل پڑا۔''

''ہوں!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور پوچھا۔ ''کیا عارف کے گھر سے نکلنے کے بعد، تم نے کسی اور کو شاہدہ کے قتل کے بارے میں بتایا تھا یا سیدھے اِدھر آگئے تھے؟''

اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ''جب

میں گھبرایا ہوا عارف کے گھر سے باہر نکلا تو ظہور حسین اپنے دروازے میں کھڑا تھا۔ ظہور حسین، عارف کا پڑوسی ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا، کیا بات ہے یوسف! تم اتنے خوف زدہ کیوں ہو...... اور یہ صبح ہی صبح اِدھر؟ میں نے ظہور کو بتایا، میں ایک ضروری کام سے یہاں آیا تھا۔ عارف نے مجھے اسی وقت بلایا تھا لیکن پتا نہیں، وہ خود کہاں غائب ہوگیا ہے۔ اندر اس کی بیوی شاہدہ کی لاش پڑی ہے...... میں اس واقعے کی اطلاع دینے تھانے جارہا ہوں۔''

تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم عارف کے گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ وہاں لگ بھگ ایک درجن افراد جمع تھے۔ چھوٹی سی داڑھی والے ایک ادھیڑ عمر شخص نے عارف کے دروازے کو اس طرح کور کر رکھا تھا جیسے وہاں پہرا دے رہا ہو۔ یوسف نے مجھے بتایا کہ وہی ظہور حسین ہے، وہ غالباً وہاں موجود لوگوں کو عارف کے گھر کے اندر داخل ہونے سے روک رہا تھا۔ ہم پر نگاہ پڑی تو ظہور نے اطمینان کی سانس لی اور قدرے بلند آواز میں بولا۔ ''لو جی...... پولیس بھی آگئی!''

ہمیں دیکھ کر لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ ظہور نے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور ایک سکون بھری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''تھانے دار صاحب! اچھا ہوا، آپ تشریف لے آئے۔ میں نے بڑی مشکل سے ان لوگوں کو روک رکھا تھا۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور عارف کے گھر کے اندر داخل ہوگیا۔ اپنے پیچھے میں نے صرف حوالدار نصیر شاہ، یوسف حلوائی اور ظہور کو آنے کی اجازت دی۔ دروازے کے باہر جو لوگ اکٹھا تھے ان میں سے ایک کی میں نے وہیں ڈیوٹی لگادی کہ وہ کسی کو اندر داخل نہ ہونے دے۔ رفیق نامی ایک ہٹا کٹا شخص تھا۔ مجھے یقین تھا، وہ باہر کی صورتِ حال کو بہ آسانی کنٹرول کرلے گا۔

وہ ماہِ اکتوبر کے ابتدائی ایام تھے۔ گلابی جاڑا اپنی پوری آب و تاب سے ماحول میں سرایت کرچکا تھا۔ دن خاصا معتدل گزرتا لیکن شام اور خصوصاً رات میں اچھی خاصی ٹھنڈک ہوجاتی تھی۔ لوگوں نے کمروں کے اندر بستر لگالیے تھے اور رات میں کھیس یا ہلکے کمبل اوڑھنے پڑتے تھے۔ ہم صحن سے گزر کر اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں یوسف حلوائی نے شاہدہ کی لاش دیکھی تھی۔

عارف کا گھر تین کمروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ دو کمرے پہلو بہ پہلو گھر کے پچھلے حصے میں واقع تھے۔ ان کے آگے آٹھ فٹ چوڑا ایک برآمدہ تھا پھر چھوٹا سا صحن آجاتا تھا۔ گھر کا تیسرا کمرا وہ بیٹھک تھی جو بیرونی دروازے کے قریب، گھر کے سامنے والے حصے میں ایک کونے میں بنی ہوئی تھی۔ باورچی خانہ، غسل خانہ وغیرہ بیٹھک کی مخالف سمت میں ترتیب وار دیوار کے ساتھ بنے ہوئے تھے۔ شاہدہ کی لاش جس کمرے میں پائی گئی وہ عقبی دو کمروں میں سے ایک تھا۔

شاہدہ مردہ حالت میں بستر پر بڑی بے ترتیب پڑی تھی۔ اس کی گردن شہ رگ کے مقام سے کٹی ہوئی تھی بہنے والے بے تحاشا خون نے بستر کو بری طرح آلودہ کردیا تھا۔ بستر کی کیفیت سے بہ خوبی اندازہ ہوتا تھا کہ موت کو گلے لگانے سے پہلے شاہدہ کتنا تڑپی ہوگی۔ میں نے بستر کے مختلف خون آلود حصوں کا بہ غور جائزہ لیا اور مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ شاہدہ کی موت واقع ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ اسے رات کے آخری پہر یا فجر کے وقت گردن کاٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اسے نیند کی حالت میں قتل کیا گیا تھا۔ کیونکہ وہاں افراتفری کے آثار موجود نہیں تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق، شاہدہ کو کسی تیز دھار چھری یا خنجر سے گردن کاٹ کر موت کے منہ میں دھکیلا گیا تھا۔

شاہدہ کی عمر پچیس چھبیس سال سے زیادہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس کے چہرے کی دلکشی اور بدن کی شادابی کو مردہ حالت میں بھی بہ آسانی محسوس کیا جاسکتا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک خوب صورت عورت تھی۔ مجھے اس کی موت کا دلی افسوس ہوا اور اسی افسردہ دلی کے ساتھ میں موقع کی ضروری کارروائی میں مصروف ہوگیا۔

آدھے گھنٹے کی محنت کے بعد میں آلۂ قتل برآمد کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ گوشت کاٹنے والی بڑے سائز کی ایک چھری تھی جس کے پھل پر لگے ہوئے خون نے مجھے بتادیا کہ اسی کی مدد سے شاہدہ کی گردن کاٹی گئی تھی۔ مذکورہ چھری مجھے باورچی خانے میں، برتنوں کی دوچھتی پر، برتنوں کے پیچھے پڑی ملی تھی۔ یہ ایک اہم تفتیشی پیش رفت تھی۔

میں نے موقع کی ضروری کارروائی کو نمٹا کر مشیر نامہ تیار کیا اور شاہدہ کی لاش کو آلۂ قتل سمیت پوسٹ مارٹم کے لیے ضلعی سرکاری اسپتال بھجوادیا۔ ظہور حسین نے دبی زبان میں مجھ سے کہا بھی کہ میں لاش کو اسپتال روانہ کرنے سے پہلے عارف کی واپسی کا انتظار کرلوں لیکن اس کی یہ فرمائش مجھے غیر اہم اور فضول سی لگی۔

میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم جانتے ہو، عارف کہاں گیا ہے؟''

''نہیں جی...... مجھے تو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ وہ کب تک واپس آئے گا؟''

''جناب! جب مجھے یہ ہی پتا نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے تو میں اس کی واپسی کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری اسپتال بھجوانا بہت ضروری تھا اس لیے میں اس سلسلے میں کوئی تاخیر برداشت نہیں کرسکتا۔ عارف جب واپس آئے گا تو اس سے بھی نمٹ لیا جائے گا! ویسے مجھے امید نہیں کہ وہ واپس آئے۔ مجھے اس کی تلاش میں اپنے بندوں کو بھیجنا پڑے گا!''

میرے لہجے کی معنی خیزی کو محسوس کرکے اس نے چپ سادھ لی۔

میں نے وہاں موجود افراد کے بیانات لینے کا سلسلہ شروع کیا۔ یوسف حلوائی نے اضطراری انداز میں کہا۔ ''تھانے دار صاحب! سب سے پہلے آپ میرا بیان لے لیں۔ دوپہر ہونے والی ہے اور مجھے دکان بھی کھولنی ہے۔''

تھانے سے لے کر یہاں تک میں نے یوسف سے متعدد سوالات پوچھے تھے جن کے جوابات میں اس نے مجھے شاہدہ اور عارف کے بارے میں بیش بہا معلومات فراہم کی تھیں۔ ایک طرح سے میں اسی کے بیان کی بنیاد پر تفتیش کو آگے بڑھا رہا تھا۔ میرے خیال میں اس سے فوری طور پر پوچھنے کے لیے کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ اگر آگے چل کر کوئی اہم بات سامنے آتی تو اسے تھانے بلا کر پوچھ گچھ کی جاسکتی تھی چنانچہ میں نے اسے جائے واردات پر مزید روکنا مناسب نہ سمجھا۔

''ٹھیک ہے، یوسف!'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''مجھے احساس ہے تم صبح سے خوار ہو رہے ہو مجھے مزید جو کچھ پوچھنا ہوگا، میں دکان پر آ کر تم سے پوچھ لوں گا۔ اب تم جاسکتے ہو۔''

وہ مجھے سلام کرکے رخصت ہوگیا۔ میں نے موقع پر موجود افراد میں سے تین چار کے بیانات لیے جن میں ظہور حسین اور صداقت علی بھی شامل تھے۔ صداقت علی کے علاوہ سبھی نے عام اور رسمی سی معلومات فراہم کیں مثلاً یہ کہ عارف اپنی بیوی سے بہت ڈرتا تھا۔ شاہدہ کے سامنے اس کی سٹی گم ہوجاتی ہے۔ شاہدہ حاکمانہ مزاج کی مالک ایک دھانسو قسم کی عورت تھی۔ اس نے شروع دن ہی سے عارف کو اس طرح دبایا تھا کہ وہ اس کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ بلاچون وچرا وہ اپنی بیوی کے اشاروں پر ناچتا رہتا تھا اسی لیے پورے قصبے میں مشہور تھا کہ عارف، شاہدہ کی بیوی ہے اور شاہدہ، عارف کا شوہر!

میں نے بڑے محتاط انداز میں شاہدہ کی بے وفائی کے بارے میں بھی سوالات کیے لیکن صداقت علی کے سوا کوئی مقتول کی زندگی کے اس زاویے سے آگاہ نہیں تھا۔ صداقت کی حیثیت بھی کسی چشم دید گواہ کی نہیں تھی تاہم اسے یہ پختہ شک تھا کہ شاہدہ کوئی بڑی گڑبڑ کر رہی ہے۔ ویسے بھی صداقت علی کی باتوں سے میں نے محسوس کیا کہ دونوں کا ایک دوسرے کے گھر میں آنا جانا بھی تھا لہٰذا میں اسے اسی کی بیٹھک میں لے کر بیٹھ گیا۔ مجھے امید تھی، صداقت سے کوئی ایسی بات ضرور معلوم ہوجائے گی جو اس کیس کی گتھی کو سلجھانے میں معاون ثابت ہو۔

صداقت علی کے گھر میں قدم رکھنے سے پہلے میں نے عارف کے گھر کو بند کرکے اس کے داخلی دروازے پر سرکاری تالا لگا دیا تھا۔ آس پڑوس والوں کو میں نے سختی سے ہدایت کردی کہ جس کو بھی عارف دکھائی دے وہ اسے سیدھا تھانے میں میرے پاس بھیج دے۔

صداقت علی نے میرے ''نہ نہ'' کرنے کے باوجود بھی خاطر تواضع کے لیے اپنی گھر والی کلثوم کو احکام صادر کردیے۔ جب ہم بیٹھک میں ایک دوسرے کے روبہ رو بیٹھے تو میں نے سنجیدہ لہجے میں اس سے پوچھا۔ ''صداقت علی! مجھے اس قصبے میں تعینات ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ میں نے تمہارے پڑوسی جوڑے کے بارے میں بڑی عجیب اور واہیات باتیں سنی ہیں۔ کیا عارف واقعی شاہدہ کے سامنے ایک زرخرید غلام بن جاتا تھا۔ لوگ اسے شاہدہ کی بیوی کیوں سمجھتے تھے۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی راز تو ضرور چھپا ہوگا؟''

صداقت علی نے ایک بوجھل سانس خارج کی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ملک صاحب! آپ سمجھ دار اور تجربہ کار آدمی ہیں۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیوں کے مانند ہوتے ہیں جو زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھانے میں قدم قدم پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں مگر ان دونوں میں میاں بیوی والا اعتدال اور توازن نہیں تھا۔ ان کے رہن سہن اور باہمی برتاؤ کو دیکھ کر واقعی ایسا لگتا تھا جیسے عارف، شاہدہ کی گھر والی ہو۔ میں نے

زن مرید مرد بھی دیکھے ہیں لیکن ان دونوں کا معاملہ تو حد سے بڑھا ہوا تھا۔ انتہائی بے ہودہ اور شرم ناک!''

''میں یہی تو جاننا چاہتا ہوں صداقت علی!'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔ ''ایسی کیا بات تھی جو شاہدہ، عارف سے شوہروں والا سلوک کرتی تھی۔ عارف کی کس کمزوری نے اسے اپنی بیوی کی نظر میں چوہا بنادیا تھا؟''

''میرے خیال میں جب کوئی شوہر اپنی بیوی کے سامنے چوہا بن جاتا ہے تو اس کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے!'' صداقت علی نے معنی خیز انداز میں کہا اور خاموش نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''ہوں!'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا..... تو یہ معاملہ تھا؟''

''دیکھیں ملک صاحب!'' وہ بے حد سنجیدہ ہوگیا۔ ''مجھے اپنی قبر میں جانا ہے اس لیے میں دعوے یا وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ کسی بھی انسان کی زندگی کا بہت نازک اور حساس پہلو ہوتا ہے لیکن جب میاں بیوی کی عمروں میں آدھے سے زیادہ کا فرق ہو تو پھر لامحالہ اسی نازک پہلو کی طرف دھیان جاتا ہے!''

میں نے تھوڑی دیر پہلے شاہدہ کو مردہ حالت میں دیکھا تھا اور اس کی عمر کا اندازہ پچیس چھبیس کے قریب لگایا تھا اور آج سے چار سال پہلے یعنی شادی کے وقت وہ اکیس بائیس کی ہوگی۔ یہ تو اس تصویر کا ایک رخ تھا۔ دوسرا رخ یعنی عارف ابھی تک میری نگاہ میں نہیں آیا تھا۔ صداقت علی نے عمروں میں آدھے سے زیادہ فرق کی بات کی تو میں چونک کر اس سے یہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ ''عارف کی کیا عمر ہوگی؟''

''کم از کم پچپن سال!'' اس نے تلخی سے بتایا۔

''اوہ.....!'' میں بے ساختہ ایک بوجھل سانس خارج کر کے رہ گیا۔

صداقت علی نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ملک صاحب! مجھے دیکھیں، اس وقت میری عمر پچاس سال ہوچکی ہے لیکن ابھی بھی ٹھیک ٹھاک نظر آتا ہوں۔ انسان اگر اپنی صحت پر توجہ دے تو وہ جلدی بوڑھا نہیں ہوتا۔ عارف ہے تو پچپن سال کا لیکن اپنی ''شان دار'' صحت کی بنا پر وہ پینسٹھ ستر کا دکھائی دیتا ہے اور اگر شاہدہ سے اس کا موازنہ نہ کیا جائے تو..... بڑی معذرت کے ساتھ کہوں گا تھانے دار صاحب، ایک ساتھ چلتے ہوئے دونوں باپ بیٹی نظر آتے تھے۔''

''صداقت علی! جیسا کہ تم نے بتایا ہے، شاہدہ کا تمہارے گھر میں اور تمہاری بیوی کلثوم کا اس کے گھر میں آنا جانا تھا۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہوگے کہ عورتوں کی گفتگو کا نوے فیصد حصہ دوسری عورتوں کے شوہروں کی ذات سے متعلق باتوں پر مشتمل ہوتا ہے......''

''ملک صاحب! یہ بات تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''یہ اللہ کی بندیاں ایسا ہی کرتی ہیں۔''

''اگر یہ اللہ کی بندیاں ایسا ہی کرتی ہیں تو...'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''پھر یقیناً کلثوم نے شاہدہ سے اس کے بوڑھے شوہر کے بارے میں بہت کچھ پوچھا ہوگا اور مجھے لگ رہا ہے، شاہدہ نے کلثوم کے پوچھنے سے کچھ بڑھ کر ہی بتایا ہوگا چونکہ ان دونوں کی شادی بے جوڑ تھی اور لوگ دونوں کے خلافِ معمول رویوں کی بنا پر ان کے حوالے سے مختلف عجیب اور واہیات باتیں بھی کرتے تھے لہٰذا میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ شاہدہ نے عارف کی ذات سے متعلق بڑے دلچسپ اور سنسنی خیز انکشافات کیے ہوں گے اور..... یہ ممکن نہیں کہ کلثوم نے وہ ساری باتیں تمہیں نہ بتائی ہوں؟''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''جی ملک صاحب! گاہے بہ گاہے کچھ اس قسم کی باتیں مجھ تک پہنچتی رہتی تھیں جن سے پتا چلتا تھا، شاہدہ اپنے شوہر سے خوش نہیں!''

اسی لمحے میری خاطر مدارات کا سامان بیٹھک میں پہنچ گیا چنانچہ چند منٹ کے لیے ہم اصل موضوع سے ہٹ کر کھانے پینے کی باتیں کرنے لگے۔ صداقت علی پیشے کے اعتبار سے ایک متوسط زمیں دار تھا۔ اس کے گھر، رہن سہن اور کھانے کے برتنوں سے ظاہر ہوتا تھا، وہ ایک مطمئن اور آسودہ شخص ہے۔ بات چیت اور سوچ وفکر کے لحاظ سے بھی وہ ایک معقول آدمی ثابت ہورہا تھا۔

چند منٹ کے توقف کے بعد ہم ایک مرتبہ پھر مقتول شاہدہ اور اس کے بیوی نما شوہر عارف کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''صداقت! تم ہمارے ہو، عارف پچپن کے پیٹے میں ہے۔ مجھے یہ بھی پتا چلا ہے، شاہدہ سے اس کی شادی صرف چار سال پہلے ہوئی تھی۔ کیا تمہیں معلوم ہے، اس نے اتنی تاخیر سے شادی کیوں کی اور وہ بھی خود سے آدھی عمر کی ایک لڑکی سے؟''

''سب معلوم ہے ملک صاحب!'' وہ ٹھوس لہجے میں

بولا۔ ''سال ہا سال سے ہم ایک دوسرے کے پڑوس میں رہ رہے ہیں جناب۔ آپ نے جو سوال کیا ہے اس کے دو حصے ہیں۔ میں ترتیب وار اس کا جواب دیتا ہوں۔ پہلے میں اس کی شادی میں تاخیر کا سبب بتاتا ہوں۔ جب عارف کی شادی کی عمر تھی تو وہ اور اس کی ماں لڑکیوں کو مسترد کرتے رہے۔ کوئی لڑکی اگر عارف کو پسند آجاتی تو اس کی ماں سلمٰی لڑکی میں کوئی نہ کوئی عیب تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاتی اور اگر سلمٰی کی نظر کسی لڑکی پر ٹک جاتی تو عارف کسی حیلے بہانے سے اسے ناپسند کردیتا۔ اس طرح عارف کی عمر آگے بڑھتی رہی۔ ان ماں بیٹے کا یہ وتیرہ دیکھ کر لوگ بھی محتاط ہوگئے اور کنواری لڑکیوں کے والدین نے ایک طرح سے انہیں بلیک لسٹ قرار دے دیا چنانچہ سلمٰی جہاں بھی عارف کے رشتے کی بات چلاتی، پہلے ہی قدم پر اسے منع کردیا جاتا۔ اس عمل سے گزر کر عارف جوان سے ادھیڑ عمر ہوگیا۔ پھر جیسے ہی وہ پچاس اکیاون کا ہوا، سمجھیں کہ اس کی لاٹری کھل گئی......!'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''یہ جو میں لاٹری والی بات بتا رہا ہوں نا، یہی آپ کے سوال کے دوسرے حصے کا جواب ہے۔ اُدھر ملتان میں عارف کی ایک خالہ کنیز رہتی تھی اور اس اللہ کی بندی کی بھی ایک ہی بیٹی تھی یعنی شاہدہ۔ جب کنیز کا وقتِ آخر قریب آگیا تو اس نے سلمٰی سے کہا، تمہارا بیٹا عارف ابھی تک کنوارا ہے اور میں پتا نہیں، کس پل اس دنیا سے رخصت ہوجاؤں۔ اگر میں مرگئی تو شاہدہ دنیا میں اکیلی رہ جائے گی۔ کیوں نہ اس کی شادی عارف سے کردی جائے۔ اس طرح میں بھی آرام سے مرسکوں گی...... یوں شاہدہ کی عارف سے شادی ہوگئی!''

''ایک بات سمجھ نہیں آئی صداقت علی!'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ ''جب کنیز اپنے بھانجے سے اتنی ہی محبت کرتی تھی تو بیٹی سے اس کی شادی کا خیال پہلے اس کے ذہن میں کیوں نہیں آیا؟''

''اس کی بھی دو وجوہات ہیں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ایک وجہ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور وہ یہ کہ جب عارف اپنی جوانی کے عروج پر تھا...... تو اس وقت شاہدہ بے چاری پیدا ہوئی ہوگی۔ جب شاہدہ شادی کے قابل ہوئی تو عارف کا بڑھاپا شروع ہوگیا۔ یہ تو ہے ایک وجہ...... دوسری وجہ یہ ہے کہ عارف کی شادی سے کچھ عرصہ پہلے تک دونوں بہنوں یعنی کنیز اور سلمٰی میں شدید ترین اختلافات رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں تھیں۔ سلمٰی یہاں یعنی ضلع جھنگ کے اس قصبے بخت پور میں اپنے بیٹے عارف کے ساتھ رہتی تھی اور کنیز اُدھر ضلع ملتان کے ایک نواحی گاؤں حسین آباد میں اپنی بیٹی شاہدہ کے ساتھ زندگی بسر کررہی تھی پھر جب کنیز شدید بیمار پڑی اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے اپنی موت کو یقینی دیکھتے ہوئے، اپنی بہن سے رنجش کو ختم کردیا۔ سلمٰی نے بھی کنیز کو معاف کردیا۔ اس طرح دونوں ناراض بہنوں کی رنجش ختم ہوئی جس کے نتیجے میں عارف کی شاہدہ سے شادی ہوگئی۔''

''بہت خوب!'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''یہ تو واقعی عارف کی لاٹری نکلی تھی۔''

''لاٹری تو تھی جناب!'' صداقت نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس لاٹری نے بعد میں عارف کا باجا بجا کے رکھ دیا۔ اسی باجے کی گونج میں وہ شاہدہ کی بیوی مشہور ہوگیا تھا۔''

میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔ ''اگر عارف دم خم والا شوہر ہوتا تو یہی لاٹری اس کی شان و شوکت کے گراف کو کوہِ ہمالیہ سے بھی اوپر لے جاتی!''

''یہ تو آپ بالکل درست فرما رہے ہیں ملک صاحب!'' صداقت علی تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''شاہدہ ایسی ہی زوردار اور ٹھسے والی عورت تھی کہ جس کی بھی بیوی ہوتی، اس کا سر فخر سے بلند ہوجاتا۔''

میں نے کہا۔ ''صداقت علی! شاہدہ کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال بھجوائی جاچکی ہے اور عارف کا ابھی تک کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں غائب ہے۔ یوسف حلوائی کے مطابق، اسے آج کہیں جانا تھا...... کہاں جانا تھا؟ یہ یوسف کو پتا ہے اور نہ ہی اور کوئی شخص یہ بات جانتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عارف نے یوسف سے غلط بیانی کی ہو اور وہ اپنے منصوبے کو مکمل کرنے کے بعد کہیں فرار ہوگیا ہو؟''

''کون سا منصوبہ ملک صاحب؟'' صداقت نے متذبذب انداز میں پوچھا۔

اس کے استفسار کے جواب میں، میں نے اسے ان معلومات سے آگاہ کردیا جو یوسف حلوائی نے مجھے فراہم کی تھیں۔ صداقت نے پوری توجہ اور انہماک سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر بولا۔

''ملک صاحب! یہ بات تو طے ہے اور آپ بھی جانتے ہیں کہ شاہدہ کو بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا ہے۔ اگر یوسف نے عارف کے بیان کے حوالے سے کوئی جھوٹ نہیں

بولا تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عارف اپنی بیوی کو قتل کر کے خاموشی سے کہیں غائب ہو گیا ہے اور ہمیں...... اس کی واپسی کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔''

''وہ واپس آئے یا نہ آئے!'' میں نے پرعزم لہجے میں کہا۔ ''لیکن اگر وہ شاہدہ کو موت کے گھاٹ اتار کر فرار ہوا ہے تو میں اسے پاتال سے بھی کھینچ کر لے آؤں گا مگر اس سے پہلے ایک بات کا فیصلہ کرنا بہت ضروری ہے۔''

اس نے چونک کر میری جانب دیکھا اور پوچھا۔ ''کون سی بات ملک صاحب؟''

''یہ بات کہ آیا شاہدہ بے وفائی کی مرتکب ہو رہی تھی یا نہیں!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر ہم یوسف کی باتوں کو بنیاد بنا کر عارف کو شاہدہ کا قاتل گردانتے ہیں تو پھر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شاہدہ چپکے چپکے اپنے شوہر کو دھوکا دے رہی تھی اور عارف نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا...... مگر کس کے ساتھ پکڑ لیا تھا، یہ ایک سنگین سوال ہے!'' میں نے لمحے بھر کو توقف کیا، اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اس رنگین و سنگین سوال کے جواب تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تم میری مدد کرو گے صداقت علی کیونکہ...... تمہیں بھی شاہدہ کی ذات کے حوالے سے کچھ اسی قسم کا شک تھا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا؟''

''آپ بالکل صحیح کہہ رہے ملک صاحب!'' وہ بڑے رسان سے بولا۔

میں نے اضطراری انداز میں کہا۔ ''پھر حقیقت کیا ہے، وہ بھی بتا دو؟''

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ملک صاحب! ایک بات کی وضاحت کرنا چاہوں گا کہ میری عادت دوسرے لوگوں سے بہت مختلف ہے۔ میں اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی ہوں۔ دوسروں کے معاملات میں مداخلت کرنا مجھے بالکل پسند نہیں اور ایسا ہی میں اپنے معاملات کے لیے دوسروں سے بھی چاہتا ہوں......!''

''یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا تو میں نے کہا۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے عارف اور شاہدہ کے بارے میں بہت کچھ سنا لیکن میں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ یوں سمجھیں کہ ایک کان سے سنا اور دوسرے سے نکال باہر کیا مگر جو کچھ میرے دیکھنے میں آیا، میں اسے نظر انداز نہ کر سکا!'' یہاں تک بتانے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی اور سلسلۂ کلام جاری رکھا۔

''ملک صاحب! بننا سنورنا عورت کا حق ہے اور شادی شدہ عورت ظاہر ہے، اپنے شوہر کے لیے بناؤ سنگھار کرتی لیکن میرے پڑوس میں یعنی عارف کے گھر میں مجھے اس کے برعکس دیکھنے کو ملتا رہا ہے۔ شاہدہ، عارف کو تو اپنا شوہر ہی نہیں سمجھتی تھی، اس کی دل بستگی کے لیے آرائش و زیبائش تو بہت دور کی بات ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے کئی مرتبہ دیکھا کہ جب عارف گھر میں نہیں ہوتا تھا تو شاہدہ خود کو سنوارنے کے لیے خصوصی اہتمام کرتی تھی حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ شاہدہ کو قدرت نے ماشاء اللہ جو حسن و خوب صورتی عطا کر رکھی تھی اس کے ہوتے ہوئے کسی سجاوٹ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ نے تو اسے مردہ حالت میں دیکھا ہے، اگر زندہ حالت میں اس کی ایک جھلک دیکھ لیتے تو میری بات کو بہ خوبی سمجھ سکتے تھے۔''

''میں شاہدہ کی لاش کو ایک نظر دیکھ کر سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ اس کے لیے کسی وضاحت یا تفصیل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے تھما تو میں نے کہا۔ ''میں نے اپنے پیشہ ورانہ کیریئر میں بہت سے زندہ لوگوں کو مردوں میں بدلتے ہوئے دیکھا ہے اور بڑی اچھی طرح جانتا ہوں کہ...... موت، زندگی پر حاوی ہونے کے بعد اس کی کون کون سی رونقیں چھین لیتی ہے بہر حال......'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد صداقت علی کو اصل موضوع کی طرف لاتے ہوئے کہا۔ ''صداقت علی! بات کہیں سے کہیں چلی گئی۔ تم مجھے شاہدہ کی بے وفائی کے حوالے سے کچھ بتانے والے تھے؟''

''جناب! میں اسی طرف تو آ رہا تھا'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے محسوس کیا تھا کہ شاہدہ کا بننا سنورنا عارف کے لیے ہرگز نہیں تھا۔ عارف کا کام ایسا تھا کہ اسے دکان دوپہر کے وقت کھولنی پڑتی تھی۔ آپ جانتے ہیں، تکے کباب کی دکان داری دوپہر سے شروع ہو کر رات گئے تک چلتی ہے اور اس میں بھی شام کے بعد کا وقت بے حد مصروف ہوتا ہے اور عموماً انہی اوقات میں شاہدہ کو بے وفائی کا موقع ملتا تھا۔''

''صداقت علی! تم میرے سوال کے جواب میں کچھ زیادہ ہی احتیاط سے کام لے رہے ہو۔ اس لیے اگر تم نے اپنی آنکھوں سے شاہدہ کی بے وفائی کا کوئی منظر دیکھا ہے تو مجھے بتاؤ تاکہ میں اس کے قتل کے سلسلے میں اپنی تفتیش کو آگے بڑھا سکوں؟''

''جناب! میں نے اپنی آنکھوں سے تو کبھی کچھ نہیں

دیکھا'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ ''لیکن عارف کی غیر موجودگی میں اس کا خصوصاً بناؤ سنگھار اور نامحرم لوگوں کا اس کے گھر میں آنا...... بہت کچھ سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ جناب! ایک اور بات...... کئی بار یہ دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ جب عارف گھر میں نہیں ہوتا تھا تو گاہے بہ گاہے دو افراد کا وہاں آنا جانا رہتا تھا۔ میں اس آمدورفت کو اچھا نہیں سمجھتا تھا لیکن کبھی میں نے عارف کے گھریلو معاملات میں مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی...... اگر شاہدہ کے قتل جیسا سنگین واقعہ نہ ہوا ہوتا اور ایک تھانہ انچارج کی حیثیت سے آپ مجھ سے تعاون کی بات نہ کرتے تو شاید میں اب بھی زبان بند ہی رکھتا!''

میں نے محسوس کیا کہ صداقت علی بنیادی طور پر ایک شریف النفس انسان تھا اس لیے دوسروں کے معاملات میں بولتے ہوئے وہ کچھ زیادہ ہی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ میں نے اس کی تشفی کے لیے واضح الفاظ میں کہا۔

''میں تمہارے جذبات اور احساسات کو سمجھ رہا ہوں صداقت علی۔ مجھے بتاؤ، وہ دو نامحرم افراد کون ہیں جو عارف کی غیر موجودگی میں اس کے گھر شاہدہ سے ملنے آیا کرتے تھے؟''

''ان میں سے ایک تو یہی موٹا یوسف ہے جو ابھی ابھی آپ سے اجازت لے کر گیا ہے۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ ''اور دوسرے شخص کا نام ہے...... داؤد!''

صداقت علی ایک کے بعد ایک چونکا دینے والا انکشاف کر رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر میں نے اضطراری لہجے میں استفسار کیا۔ ''تم یوسف حلوائی کی بات کر رہے ہو نا؟''

''جی ہاں...... بالکل!'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''یہ یوسف حلوائی، عارف کا سوتیلا بھائی بھی ہے...... اور وہ جو دوسرا آدمی داؤد ہے نا...... وہ کوئی اچھا انسان نہیں۔ آپ اسے آوارہ، اوباش شخص سمجھ لیں۔''

میں حیرت اور الجھن کے ملے جلے تاثرات سے صداقت علی کو تکنے لگا۔ یوسف حلوائی کے حوالے سے اس نے ایک نئی بات کر دی تھی۔ اب تک یوسف سے میری ڈھیروں باتیں ہوئی تھیں لیکن کسی بھی مرحلے پر اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ عارف کا سوتیلا بھائی ہے۔ اس کی تمام تر گفتگو سے یہی تاثر ابھرتا تھا کہ ان دونوں میں اچھے اور خوش گوار دوستانہ تعلقات ہیں۔ رشتے داری کی طرف تو بھولے سے بھی دھیان نہیں گیا تھا۔

''کیا عارف اور یوسف واقعی سوتیلے بھائی ہیں؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

وہ شاکی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جناب! میں آپ سے غلط بیانی کیوں کروں گا۔ اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو آپ یوسف حلوائی سے خود پوچھ لیں۔''

''وہ تو جب بھی نظر آئے گا، میں اس سے پوچھ ہی لوں گا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ یوسف نے کیوں نہیں بتایا مجھے کہ وہ عارف کا سوتیلا بھائی ہے؟''

''ممکن ہے، وہ اس ناخوش گوار موضوع کو زیرِ بحث نہ لانا چاہ رہا ہو!''

''ناخوش گوار موضوع؟'' میں نے الجھن زدہ نظر سے صداقت علی کی طرف دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بتانے لگا'' جناب! بات دراصل یہ ہے کہ ماضی بعید میں عارف کے باپ قاسم علی نے عارف کی ماں کو طلاق دے دی تھی۔ اس وقت عارف کی عمر یہی کوئی دس بارہ سال رہی ہوگی۔ سلمیٰ اور قاسم علی کے درمیان ایک بہت بڑے جھگڑے نے جنم لیا اور اس جھگڑے کے نتیجے میں قاسم علی، سلمیٰ کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد قاسم علی نے فریدہ نامی ایک عورت سے شادی کر لی۔ یہ یوسف حلوائی اسی فریدہ کا بیٹا ہے۔ یوسف کی عمر چھ سات سال تھی تو قاسم علی نے زلیخا نامی ایک خوب صورت عورت سے تیسری شادی کر لی۔ اس بار اس نے فریدہ (دوسری بیوی) کو اپنی زندگی سے خارج نہیں کیا تھا۔ کچھ عرصے تک تو فریدہ اپنی سوتن زلیخا کو برداشت کرتی رہی اس کے بعد لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ یہ سلسلہ زیادہ عرصے تک نہ چل سکا اور بالآخر فریدہ اپنے بیٹے کو لے کر قاسم علی سے علیحدہ ہو گئی۔ قاسم علی نے فریدہ کو طلاق نہیں دی تھی اور نہ ہی فریدہ نے ایسا کوئی مطالبہ کیا تھا۔ ان تمام کرداروں میں سے اب کوئی بھی زندہ نہیں ہے، بس عارف اور یوسف بچے ہیں جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری دور میں داخل ہو چکے ہیں۔''

''اوہ......!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''خاصی دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی ہے...... کیا زلیخا نامی اس عورت سے بھی قاسم علی کی کوئی اولاد پیدا ہوئی تھی؟''

''نہیں!'' صداقت علی نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بتایا۔

میں نے دوسرے مشکوک بندے کے بارے میں اس سے پوچھا۔ ''اور یہ داؤد کون ہے؟''

''داؤد بھی اسی قصبے ہی میں رہتا ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے ملک صاحب! داؤد ایک آوارہ شخص ہے۔ کوئی خاص کام دھندا نہیں کرتا۔ آپ اسے ایک سڑک چھاپ غنڈا سمجھ لیں۔ اپنے سے کمزور لوگوں پر رعب ڈال کر غنڈا ٹیکس وصول کرتا ہے۔ مار، پیٹ اور چوری چکاری کے کاموں میں بھی ملوث رہتا ہے۔ ایک آدھ بار مختصر مدت کے لیے جیل بھی جا چکا ہے......!''

میں گہری سوچ میں پڑ گیا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یوسف کے لیے تو اس حوالے سے تھوڑی بہت رعایت نکالی جا سکتی ہے کہ وہ عارف کا سوتیلا بھائی ہے۔ عارف کی موجودگی میں وہ اگر اس کے گھر میں آتا جاتا نظر آیا ہے تو یہ کوئی اتنی معیوب بات نہیں لیکن داؤد جیسے ایک مستند غنڈے کی وہاں آمد و رفت قابلِ غور ہے۔ میں موجودہ حالات میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عارف نے اپنی بیوی کے حوالے سے یوسف حلوائی کو جو کچھ بتایا تھا وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ شاہدہ کا قتل اور عارف کی روپوشی بھی اسی جانب اشارہ کر رہی ہے!''

''آپ کا کہنا برحق ملک صاحب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''شاہدہ کے طور طریقے بڑے خطرناک تھے، خاص طور پر عارف کی غیر موجودگی میں اس کا انداز ہی بدل جاتا تھا، اس پر داؤد کا گھر میں آنا واقعی ان حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے جن کا تھوڑی دیر پہلے آپ نے ذکر کیا ہے لیکن میرے خیال میں یوسف حلوائی کو بھی کوئی رعایت نہیں ملنی چاہیے۔ بہر حال، وہ بھی تو شاہدہ کے لیے نامحرم ہی ہے نا، عارف کی غیر موجودگی میں، چوری چھپے شاہدہ سے ملنے کے لیے اس کا آنا جانا نظر انداز نہیں کیا جا سکتا!''

''میں نے یوسف کو نظر انداز کرنے کی بات نہیں کی صداقت علی!'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''اس سے تو میں بڑی سخت پوچھ گچھ کروں گا۔ تم فکر نہ کرو، انصاف کے تقاضے پورے کرنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔''

وہ گہری فکر مندی سے بولا۔ ''ملک صاحب! حالات و واقعات تو یہی بتاتے ہیں کہ عارف، شاہدہ کو قتل کر کے کہیں فرار ہو گیا ہے۔ آپ اسے کیسے تلاش کریں گے؟''

''میں سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہوں گا کہ وہ بخت پور سے باہر اور کہاں کہاں جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے رشتے دار یا دوست یار کن علاقوں میں رہتے ہیں؟''

''میری معلومات کے مطابق، عارف کی صرف ایک ہی رشتے دار باقی بچی تھی یعنی شاہدہ! اب وہ بھی زندہ نہیں رہی۔ یہی احوال اس کے یار دوستوں کا بھی ہے۔ میں نے اسے کہیں آتے جاتے نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کے گھر میں مہمانوں وغیرہ کی آمد و رفت ہوتی تھی لہٰذا اس سلسلے میں، میں تو آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا جناب!'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے رکا پھر معتدل لہجے میں بولا۔ ''اس سلسلے میں ہو سکتا ہے، یوسف حلوائی آپ کی کوئی مدد کر دے!''

''میں اسے ضرور چیک کروں گا۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ ''لاش پوسٹ مارٹم کے بعد کل واپس آ جائے گی۔ شاہدہ کا وارث تو عارف ہی تھا لیکن وہ منظر سے غائب ہو گیا ہے۔ یوسف کے مطابق، اگر واقعی وہ کسی کام سے کہیں گیا ہے تو شام تک اسے واپس آ جانا چاہیے۔ اگر وہ واپس آ جاتا ہے تو اچھی بات ہے، میں شاہدہ کی لاش اس کے حوالے کر دوں گا بہ شرطیکہ وہ شاہدہ کے قتل میں ملوث نہ پایا گیا...... لیکن اگر اس کی واپسی نہیں ہوتی تو ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا!''

''دیکھیں جناب!'' وہ بڑے رسان سے بولا۔ ''اگر تو عارف، شاہدہ کو قتل کر کے فرار ہوا ہے تو اس کی واپسی کی امید نہ رکھیں...... بس سمجھیں، وہ گیا ہاتھ سے!''

''وہ ہاتھ سے تو نہیں جاتا صداقت علی!'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے، اُدھر ملتان میں شاہدہ کے دیگر رشتے دار بھی ہیں؟ اگر آج شام تک عارف واپس نہیں آتا تو کل صبح کسی بندے کو ملتان بھیج کر شاہدہ کے رشتے داروں کو اس اندوہ ناک واقعے کی خبر تو دینی ہوگی نا!''

وہ شکست خوردہ انداز میں گردن کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے بولا۔ ''نہیں جناب! میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''یہ سوال مجھے یوسف حلوائی ہی سے پوچھنا پڑے گا!'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

صداقت علی خاموش نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔

میں مزید دو چار سوالات کے بعد اس کے گھر سے باہر نکل آیا۔ واپسی کے سفر میں، میں اکیلا ہی تھانے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میرے ساتھ جائے وقوعہ کی طرف آنے والوں میں سے حوالدار نصیر شاہ کو میں نے شاہدہ کی لاش کے ہمراہ سرکاری اسپتال بھجوا دیا تھا اور یوسف حلوائی مجھ سے اجازت لے کر رخصت ہو گیا تھا۔ جب یوسف، عارف کے گھر سے

جا رہا تھا تو میرا اندازہ یہی تھا کہ اس سے مزید کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں لیکن حالات میں اچانک ایک بہت بڑی تبدیلی آ گئی تھی اور میرے خیال میں، اب یوسف سے پوچھنے کے لیے بہت کچھ جمع ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے داؤد کو تھانے بلا کر اس کا شاندار "انٹرویو" بھی کرنا تھا۔

میں اسی لائحۂ عمل کو ترتیب دیتے ہوئے تھانے پہنچ گیا۔

☆☆☆

جیسا کہ میں نے بتایا ہے، ضلع جھنگ کے نواح میں واقع بخت پور نامی یہ قصبہ خاصا گنجان آباد تھا اور مجھے اس تھانے میں تعینات ہوئے ابھی چند روز ہی ہوئے تھے، یہی وجہ تھی کہ میں قصبے کے معاملات اور تمام لوگوں سے پوری طرح واقف نہیں ہو سکا تھا چنانچہ نئی نئی باتیں سامنے آ رہی تھیں۔ بہرحال، کوئی بھی بات ہمیشہ نئی نہیں رہتی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پرانی ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد ان لوگوں کو میرے لیے اور مجھے ان کے لیے پرانا ہو جانا تھا۔ یہی حقیقت ہے اور دستورِ زمانہ بھی!

دوپہر کے بعد میں نے حیدر علی نامی کانسٹیبل کو اپنے پاس بلایا اور اس سے داؤد کے بارے میں مختلف سوالات کیے۔ حیدر علی اسی قصبے کا رہنے والا تھا اور میں نے اسے خاصا ہوشیار قسم کا بندہ پایا تھا۔ اس نے میرے سوالات کے جوابات میں ان باتوں کی تصدیق کر دی جو صداقت علی نے مجھے داؤد کے حوالے سے بتائی تھیں تاہم حیدر علی اس بات سے واقف نہیں تھا کہ داؤد کا عارف کے گھر میں آنا جانا تھا۔ میں نے خصوصی ہدایات کے ساتھ حیدر علی کو داؤد کی جانب روانہ کر دیا۔ اسے داؤد کو بڑے طریقے سلیقے سے گھیر کر اپنے ساتھ تھانے لانا تھا۔ ساتھ ہی یوسف حلوائی کو بھی یہ پیغام دینا تھا کہ مجھ سے تھانے آ کر ملے۔

وہ احکام کی تعمیل کا یقین دلا کر میرے کمرے سے رخصت ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد حوالدار نصیر شاہ اسپتال سے واپس آ گیا پھر ہمارے درمیان تازہ ترین حالات پر گفتگو ہونے لگی۔ نصیر شاہ ایک سمجھدار اور تجربہ کار حوالدار تھا۔ میں نے اسے ان باتوں سے آگاہ کیا جو صداقت علی نے مجھے بتائی تھیں۔ داؤد کے بارے میں، نصیر شاہ کی رائے بھی اچھی نہیں تھی۔ وہ اس کی بدمعاشیوں اور بدقماشیوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ میں نے پوچھا۔ "شاہ جی! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی آپ داؤد کے کالے کرتوت سے اچھی طرح آگاہ ہیں اور ابھی تک اس کے خلاف سخت قسم کی کارروائی کیوں نہیں کی گئی؟"

"اس کے خلاف قانونی کارروائی ہو چکی ہے جناب!" حوالدار نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ "وہ جیل بھی کاٹ چکا ہے۔"

"میں اس کی جیل یاترا کے بارے میں سن چکا ہوں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس قسم کی چھوٹی موٹی سزاؤں سے داؤد جیسے لوگوں کا "بھلا" نہیں ہوتا۔ انہیں یا تو کہیں لمبا ہی فٹ کرنا پڑتا ہے یا پھر گاہے بہ گاہے، خاطر مدارات کے لیے تھانے بلاتے رہنا چاہیے۔"

"کہتے تو آپ بالکل ٹھیک ہیں جناب!" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "لیکن داؤد جیسے غنڈوں کے معاملے میں ایک مسئلہ ہمیشہ رہتا ہے۔"

"کیسا مسئلہ؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "ملک صاحب! یہ جو داؤد ہے نا...... یہ بہت سوچ سمجھ کر کارروائی کرتا ہے۔ اپنے برابر کے یا زیادہ طاقتور لوگوں پر اس نے کبھی ہاتھ نہیں ڈالا ہمیشہ کمزور افراد کو نشانہ بناتا ہے...... کمزور آدمی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس میں ظلم و زیادتی برداشت کرنے کا بڑا حوصلہ ہوتا ہے لہٰذا وہ ظالم کی شکایت لے کر کسی صاحبِ اختیار آدمی کے پاس نہیں پہنچتا اور...... آپ جانتے ہیں ملک صاحب! جب تک کسی شخص کے خلاف ہمارے پاس کوئی رپورٹ نہ آئے، ہم کارروائی نہ کرنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔"

"یہ مجبوری اپنی جگہ......" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ "لیکن داؤد جیسے غنڈوں سے نمٹنے کے لیے پولیس کے پاس اور بھی کئی راستے، ہوتے ہیں۔ اگر ایک تھانہ انچارج داؤد جیسے لوگوں کے سامنے بے بس ہو جائے تو پھر ہو گئی تھانے داری......!"

میں نے حوالدار نصیر شاہ کو یہ بتا دیا تھا کہ داؤد کو یہاں بلانے کے لیے کانسٹیبل حیدر علی روانہ ہو چکا ہے۔ ہمارے درمیان اس موضوع پر گفتگو آگے بڑھی تو حوالدار نے کہا۔

"ملک صاحب! اگر یوسف حلوائی کا بیان درست نکلا تو ہمارے لیے بڑی مشکل ہو جائے گی!"

میں نے اس کی بات سمجھنے کے باوجود بھی پوچھا۔ "کس قسم کی مشکل شاہ جی؟"

"دیکھیں جناب!" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''اگر عارف کی، یوسف سے کہی ہوئی یہ بات سچ نکلتی ہے کہ شاہدہ بے وفائی کی مرتکب ہورہی تھی تو اس امر کے قوی امکانات ہیں، عارف ہی نے شاہدہ کو قتل کیا ہوگا۔ اس صورت میں عارف کی واپسی مشکوک ہوجاتی ہے۔ ان حالات میں شاہدہ کی لاش کا کیا ہوگا، کس کے حوالے کریں گے لاش کو ہم، یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی؟''

میں نے نصیر شاہ کو صداقت علی سے ہونے والی بات چیت کے بارے میں تفصیلاً بتایا۔ اس میں شاہدہ کی بے وفائی کے حوالے سے داؤد اور یوسف حلوائی کا خصوصاً ذکر کیا اور آخر میں ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یوسف حلوائی، صداقت علی اور شاہ جی...... آپ سمیت، سب کا یہی خیال ہے کہ اگر عارف نے شاہدہ کو قتل کیا ہے تو وہ پلٹ کر بخت پور میں قدم نہیں رکھے گا۔ ٹھیک ہے، حالات وواقعات کی روشنی میں اس بات کے امکانات تو ہیں کہ عارف نے شاہدہ کی بے وفائی پر اسے قتل کردیا ہو لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے، حقیقت اس کے برعکس ہو۔ عارف کا شاہدہ کے قتل سے کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ واقعی کسی کام سے کہیں گیا ہو۔ ہمیں اس واقعے کے اس زاویے کو یکسر نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔''

''اللہ کرے! ایسا ہی ہو ملک صاحب!'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''شاہ جی! شاہدہ قتل ہوگئی اور اس کا شوہر متوقع قاتل عارف منظر سے غائب ہے۔ ان دونوں کے سوا اس گھر میں اور کوئی نہیں رہتا تھا اس لیے میں نے اس گھر پر سرکاری تالا لگوادیا ہے لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ جب تک اس کیس کا اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھ جاتا، عارف کے گھر کی نگرانی بہت ضروری ہے، خصوصاً رات کے وقت۔ اس قسم کے بند گھر چوروں اور ڈکیتوں کی دلچسپی کا خصوصی مرکز بن جاتے ہیں۔ اس گھر پر جو قیامت ٹوٹی ہے، سو ٹوٹی ہے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسا ہی کوئی مہم جو چور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں صفایا ہی نہ کردے لہٰذا کسی چالاک قسم کے کانسٹیبل کی وہاں ڈیوٹی لازمی ہے۔''

''ہمارے تھانے میں ایک ایسا کانسٹیبل ہے جناب جو راتوں کو جاگنے کا بڑا ماہر ہے۔'' نصیر شاہ نے بتایا۔ ''عارف کے گھر پر اسی کی ڈیوٹی لگادیتے ہیں!''

''ٹھیک ہے، بلائیں اس کانسٹیبل کو'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد کانسٹیبل وسیم میرے سامنے حاضر تھا۔ میں نے سرتاپا اس کا جائزہ لیا۔ وہ ایک صحت مند اور چاق چوبند شخص تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سنا ہے، تم راتوں کو جاگنے کے بہت ماہر ہو؟''

''بس جی، اپنی اپنی عادت کی بات ہوتی ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''کچھ لوگ رات کو جلدی سو جاتے ہیں اور کچھ لوگوں کو دیر سے نیند آتی ہے۔ میں کبھی بھی آدھی رات سے پہلے نہیں سویا اور اگر کوئی دلچسپ مصروفیت ہو تو پوری رات جاگ کر بھی گزار سکتا ہوں۔''

''پھر اگلے روز تمہیں نیند آتی ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

''کوئی خاص نہیں جناب!'' اس نے جواب دیا۔ ''بس دن میں ایک دو گھنٹے آرام کے لیے مل جائیں تو گزارہ ہوجاتا ہے۔''

''بس تو ٹھیک ہے!'' میں نے نہایت ہی مختصر اور جامع الفاظ میں اسے عارف کے گھر کی خفیہ نگرانی کے بارے میں بتایا۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور آخر میں کہا۔ ''ٹھیک ہے ملک صاحب! میں ابھی اُدھر روانہ ہوجاتا ہوں۔'' وہ فرماں برداری سے بولا۔ ''انشاء اللہ! آپ کو میرے کام سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

''وسیم!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اس نگرانی کے دوران میں اگر تمہیں کوئی بھی غیر معمولی بات نظر آئے تو فوراً ایکشن میں آجانا اور اس واقعے کی اطلاع دینے میں کسی قسم کی تاخیر سے کام نہیں لینا۔'' میں لمحے بھر کو توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور اگر تمہیں کسی بھی وقت، کہیں بھی عارف کی شکل نظر آئے تو اسے پہلی فرصت میں پکڑ کر میرے پاس لے آنا۔''

''آپ فکر نہ کریں جناب!'' وہ یقین دہانی کروانے والے انداز میں بولا۔ ''میں سمجھ گیا ہوں، مجھے وہاں کس نوعیت کی ڈیوٹی دینی ہوگی۔''

وسیم کے جانے کے بعد، میں دوبارہ حوالدار نصیر شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''شاہ جی! آپ ذرا یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اُدھر ملتان میں شاہدہ کا کوئی ولی وارث ہے یا نہیں۔ میں نے یہاں کے لوگوں سے اب تک جو بھی پوچھ تاچھ کی ہے اس کے مطابق تو عارف اور شاہدہ کا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں۔''

''معلومات تو میری بھی یہی ہیں ملک صاحب!'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ ''لیکن پھر بھی میں ٹرائی کر کے دیکھتا ہوں۔''

اسی وقت کانسٹیبل حیدر علی واپس آگیا۔ وہ ''خالی ہاتھ'' لوٹا تھا۔

''کیا بات ہے حیدر علی! تم جن لوگوں کو لینے گئے تھے وہ کہاں ہیں؟''

شاید میں ایک بات کا ذکر کرنا بھول گیا۔ جب میں نے حیدر علی کو داؤد کو لانے کے لیے روانہ کیا تھا تو ساتھ یہ بھی کہہ دیا تھا، اُدھر مین بازار میں یوسف حلوائی سے بھی کہتا جائے کہ وہ فوراً تھانے آکر مجھ سے ملے۔ ''لوگوں'' سے میری مراد یہی داؤد اور یوسف حلوائی ہی تھے۔

حیدر علی نے بڑی رسانیت سے جواب دیا۔ ''ملک صاحب! میں آپ کی ہدایت کے مطابق، پہلے مین بازار میں یوسف کے پاس ہی گیا تھا اور اسے آپ کا حکم سنا دیا تھا......!''

''پھر اس نے کیا کہا؟'' میں نے حیدر علی کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی پوچھ لیا۔

''وہ کہہ رہا تھا، بس میں ابھی پانچ منٹ میں تھانے پہنچتا ہوں۔''

''اس کے یہ پانچ منٹ کتنے لمبے ہیں!'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اب تو اس بات کو پونا گھنٹا ہونے کو آرہا ہے اور وہ یہاں نہیں پہنچا؟''

''جناب! اگر آپ کا حکم ہو تو میں دوبارہ اس کی طرف جاتا ہوں اور اسے کان سے پکڑ کر لاتا ہوں۔'' حیدر علی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''ہاں، اس کے ساتھ تو یہی سلوک کرنا پڑے گا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا پھر پوچھا ''اور......اس داؤد کی کیا رپورٹ ہے؟''

''داؤد اس وقت بخت پور میں موجود نہیں جناب!'' وہ حتمی انداز میں بولا۔

''بخت پور میں موجود نہیں تو کہاں چلا گیا؟'' میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

حیدر علی نے بتایا۔ ''میں نے اس کے بارے میں مختلف لوگوں سے پوچھا ہے، اس کے گھر والوں سے بھی بات کی ہے۔ پتا چلا ہے، وہ آج صبح چک عمر گیا ہے اور اس کی واپسی کل کسی وقت ہوگی۔''

چک عمر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور بخت پور کے مغرب میں تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس داؤد کم بخت کو بھی آج ہی چک عمر جانا تھا۔ میرے ذہن میں فوری طور پر یہی سوال ابھرا کہ کہیں داؤد کسی خاص پلاننگ کے تحت تو بخت پور سے غائب نہیں ہوا۔ اس کا غیاب، موجودہ صورتِ حال میں اس جانب اشارہ کرتا تھا کہ شاہدہ کے قتل سے اس کا کوئی نہ کوئی تعلق ہوسکتا ہے...... بلاواسطہ یا بالواسطہ۔ اس کے ''انٹرویو'' کے لیے مجھے کل تک انتظار کرنا تھا یا پھر فوری طور پر چک عمر جاکر اس کی گردن پکڑنی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے یوسف حلوائی کو چیک کرلوں۔ اس کے بعد داؤد کی طرف رخ کروں گا۔

میں نے حیدر علی سے کہا۔ ''تم جاؤ...... اور یوسف حلوائی کو کان سے پکڑ کر لے آؤ!''

وہ ''اچھا جناب!'' کہتے ہوئے رخصت ہوگیا۔

اس کے جانے کے بعد حوالدار نصیر شاہ نے کہا۔ ''ملک صاحب! شاہدہ کی لاش کو یوسف حلوائی کے سپرد بھی کیا جاسکتا ہے۔ وہ عارف کا سوتیلا بھائی ہے۔ اس حوالے سے وہ شاہدہ کا بھی رشتے دار ہی ہوا۔''

''یہ بات میرے ذہن میں بھی ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن اس سے پہلے میں یوسف حلوائی کو کاسٹک سوڈے سے دھونا چاہتا ہوں۔''

''آپ اس کی صفائی دھلائی ضرور کریں جناب! حیدر علی ابھی اسے کان سے پکڑ کر لانے والا ہے۔'' حوالدار نے کہا ''میں بھی اس کام میں مصروف ہوجاتا ہوں جو آپ نے مجھے سونپا ہے۔''

''بالکل...... بالکل۔'' میں نے جلدی سے کہا ''نیک کام میں تاخیر اچھی نہیں ہوتی!''

حوالدار نصیر شاہ کو میرے کمرے سے رخصت ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی ہوئے تھے کہ حیدر علی، یوسف حلوائی کے ساتھ حاضر ہوگیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا ''ملک صاحب! یوسف مجھے راستے ہی میں مل گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ اِدھر ہی آرہا تھا تو میں اسے کان سے پکڑے بغیر ہی سیدھا آپ کے پاس لے آیا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، حیدر علی! تم جاؤ۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

میرے اشارے پر یوسف حلوائی چوبی بنچ پر بیٹھ گیا اور الجھن زدہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

''یوسف! تم تو صرف پانچ منٹ میں میرے پاس آنے والے تھے اور اب ایک گھنٹے سے بھی زیادہ گزر گیا

ہے۔ کیا تمہارے پانچ منٹ اتنے طویل ہوتے ہیں۔''
منت آمیز لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے اس نے بتایا۔''وہ بس جناب! نکلتے نکلتے دیر ہوگئی۔ آپ مجھے معاف کردیں۔''
''دیر سے آنے کی معافی تو تمہیں مل جائے گی یوسف لیکن......'' میں نے معنی خیز انداز میں جملہ نامکمل چھوڑا تو اس نے جلدی سے پوچھا۔
''لل...... لیکن کیا تھانے دار صاحب؟''
''لیکن یہ کہ تم نے جو غلط بیانی کی ہے...... بلکہ جس طرح حقیقت کو چھپایا ہے اس جرم کی معافی ملنی آسان نہیں!''
''جناب...... میں نے کس حقیقت کو چھپایا ہے؟'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔
میں نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔''یوسف! کیا تم عارف کے سوتیلے بھائی ہو؟''
''نن...... ہاں......'' وہ گڑبڑا گیا۔''جی ہاں...... بالکل بالکل......!''
اس کے تاثرات اور فوری ردِعمل سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ اسے مجھ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ میں نے اس کی بوکھلاہٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے استفسار کیا۔''یہ حقیقت تم نے مجھ سے کیوں چھپائی...... جانتے ہو، کسی اہم بات کو چھپانا بھی غلط بیانی ہی کے زمرے میں آتا ہے؟''
''وہ تو ٹھیک ہے جناب......!'' وہ گھبراہٹ آمیز انداز میں بولا''مجھے کیا پتا تھا، آپ کو یہ بات معلوم نہیں۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ آپ یہاں کے تھانے دار ہیں۔ آپ سب کے بارے میں تفصیل سے جانتے ہوں گے!''
''سب کی تفصیل تو میں بعد میں جمع کروں گا'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔''ابھی تو مجھے صرف تمہارے بارے میں کچھ خطرناک نوعیت کی خبریں ملی ہیں، پہلے ان کی پوچھ پڑتال کرلوں، باقی کو بعد میں دیکھیں گے۔''
''جناب......!'' اس کے چہرے پر خوف و ہراس کے تاثرات ابھر آئے، سرسراتی ہوئی آواز میں اس نے استفسار کیا۔''مم...... میں نے کیا کیا ہے......؟''
میں فوری طور پر اندازہ قائم نہ کرسکا کہ اس کا خوف اور گھبراہٹ مصنوعی تھے یا واقعی وہ یہ بات سن کر ڈر گیا تھا بہرحال وہ ڈرا سہا ہوا نظر آرہا تھا۔ میں نے بدستور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔''تمہیں یاد ہے نا...... عارف نے اپنی بیوی شاہدہ کے حوالے سے چند روز پہلے تم سے کیا کہا تھا؟''
''جی ہاں...... جی ہاں'' وہ بڑی سرعت سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''آپ وہی شاہدہ کی بے وفائی والی بات کررہے ہیں نا؟''
''ہاں، میرا اشارہ اسی طرف ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''تمہارے مطابق، عارف کا کہنا یہ تھا کہ اس نے جیسے ہی شاہدہ کی ''چوری'' پکڑلی، وہ اسے قتل کردے گا اور پھر...... جب شاہدہ قتل کردی گئی تو تم نے یہی خدشہ ظاہر کیا تھا کہ شاید عارف نے شاہدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑلیا ہے۔ جبھی وہ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد غائب ہوگیا ہے!'' میں نے لمحے بھر کو توقف کرکے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔''میں نے صبح جب تم سے پوچھا کہ وہ شخص کون ہوسکتا ہے جس نے بے وفائی میں شاہدہ کا ساتھ دیا تو تم کوئی جواب دینے سے قاصر رہے۔ میں صحیح کہہ رہا ہوں نا؟''
''جج...... جی...... بالکل!'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔''واقعی، مجھے اس بارے میں کچھ پتا نہیں جناب! آپ کہیں گے تو میں بڑی سے بڑی قسم بھی اٹھالوں گا۔''
''تمہیں چھوٹی یا بڑی قسم اٹھانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں یوسف!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔''کیونکہ میں نے ایسے دو افراد کا سراغ لگالیا ہے جو عارف کی غیر موجودگی میں چوری چھپے شاہدہ سے ملنے اس کے گھر جایا کرتے تھے۔''
''اچھا جی!'' اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔''وہ دونوں کون ہیں جناب؟''
''ایک کا نام تو داؤد ہے۔'' میں نے بتایا۔
''اور دوسرا......!'' وہ متذبذب انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔''دوسرا کون ہے جناب؟''
''دوسرا بندہ اس وقت میرے سامنے بیٹھا ہے!'' میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔
''مم...... میں......؟'' وہ ہراساں نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔
''ہاں تم، یوسف!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''مجھے پتا چلا ہے، تم بھی عارف کی غیر موجودگی میں شاہدہ سے ملنے جایا کرتے تھے۔''
''یہ بالکل غلط ہے جناب!'' وہ قدرے احتجاجی انداز میں بولا۔''آپ کو میرے بارے میں ایسی اطلاع کس نے دی ہے؟''

''تم اطلاع کنندہ کی کھوج میں نہ پڑو۔'' میں نے سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔''یہ بتاؤ، تم عارف کے غیاب میں شاہدہ سے ملنے جاتے تھے یا نہیں؟''

وہ قدرے سنبھلے ہوئے انداز میں بولا۔''جناب! عارف کے بھیجنے پر تو ایک آدھ بار گیا ہوں لیکن ابھی ہم جس حوالے سے بات کر رہے ہیں اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عارف میرا سوتیلا بھائی ہونے کے علاوہ میرا گہرا دوست بھی ہے۔ میں اس کے گھر پر بری نظر کیسے ڈال سکتا ہوں۔ یقیناً کسی نے میرے بارے میں آپ سے غلط بیانی کی ہے۔ بتائیں جناب! وہ شخص کون ہے جس نے میرا نام لیا ہے؟''

میں نے یوسف کے سوال کو نظر انداز کر دیا اور پوچھا۔''یہ بتاؤ، عارف نے ایک آدھ بار تمہیں اپنی غیر موجودگی میں گھر کیوں بھیجا تھا؟''

''وہ جناب، بات دراصل یہ ہے کہ......'' وہ میرے سوال کے جواب میں بولا۔''دو چار مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مجھے کسی کام سے اپنے گھر جانا پڑا۔ جب میں دکان عارف کے حوالے کر کے جانے لگا تو اس نے پوچھا، آج کون سا تازہ آئٹم بنایا ہے۔ میں اسے تازہ بننے والی مٹھائی کا نام بتا دیتا اور وہ کہتا، تم گھر تو جا ہی رہے ہو، ذرا میرے گھر تک بھی ہو آنا اور جو تازہ مٹھائی بنی ہے، ایک سیر شاہدہ کو دے آنا۔ تمہاری بھابی کو مٹھائی بہت پسند ہے۔ میں بلا جھجک اس کی فرمائش پوری کر دیتا۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکا پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔''بس، اتنی سی بات ہے جناب! میں دو چار مرتبہ مٹھائی دینے عارف کی غیر موجودگی میں مگر اس کے کہنے پر وہاں گیا ہوں۔ تھوڑی دیر گھر میں بیٹھا ہوں گا اور پھر واپس آ گیا...... داؤد تو ایک لچا لفنگا شخص ہے۔ اس سے کسی بھی برائی کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن جس کسی نے بھی مجھے اس معاملے میں ملوث کرنے کی کوشش کی ہے وہ مجھ سے دشمنی کر رہا ہے۔ جناب! میں بیوی بچوں والا ہوں۔ ایسی نازیبا حرکت کے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتا...... میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس شخص کا نام بتا دیں جس نے آپ کو میرے خلاف بھڑکایا ہے؟''

بات ختم کرتے کرتے اس کا لہجہ خاصا جذباتی بلکہ جارحانہ ہو گیا تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔''یوسف! تمہاری نیت میں کوئی فتور نہیں تھا۔ تم عارف کی بیوی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کسی غلط مقصد سے کبھی اس کے گھر نہیں گئے، تمہارے لیے بس یہی کافی ہونا چاہیے۔ تم اس فکر میں خود کو دبلا نہ کرو کہ مجھے تمہارے بارے میں کس نے بتایا!''

''پھر بھی ملک صاحب! پتا تو چلے، وہ میرا چھپا ہوا دشمن آخر ہے کون؟'' اس کے انداز میں اچھا خاصا اصرار پایا جاتا تھا۔

میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔''وقت آنے پر میں اس شخص کا نام ظاہر کر دوں گا۔'' پھر شاکی نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔''یوسف! تم سے ایک بڑی سنگین غلطی ہوئی ہے۔ اگر تم نے وہ غلطی نہیں کی ہوتی تو مجھے یقین ہے، شاہدہ یوں قتل نہیں کی جاتی۔ میں حالات کو بڑی خوب صورتی سے کنٹرول کر سکتا تھا!''

''میں نے کون سی غلطی کی ہے ملک صاحب؟'' وہ حیرانی سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''جب عارف نے تم سے شاہدہ کے قتل کے حوالے سے وہ خطرناک گفتگو کی تھی، تمہیں اسی وقت آ کر مجھے بتانا چاہیے تھا کہ اپنی بیوی کے حوالے سے عارف کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں؟''

''جناب! سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے عارف کی بات کا یقین ہی نہیں آیا تھا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔''میں یہی سمجھا کہ وہ غصے میں ایسا کہہ رہا ہے۔ اس کا شاہدہ پر کتنا کنٹرول تھا، یہ تو پورا قصبہ جانتا ہے۔ عارف سے ایسی کسی سنگین جرأت اور بہادری کی کسی کو توقع نہیں تھی لیکن شاہدہ کے قتل کے بعد تو یہی لگتا ہے کہ اس نے زندگی میں ایک بار ہمت کا مظاہرہ کر کے دکھا ہی دیا۔ بہرحال......'' وہ قدرے شرمندگی سے بولا۔''اب مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے ملک صاحب...... کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے عارف کے عزائم کو اتنی غیر سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے تھا۔ اگر میں اسی وقت آپ کو اس کے خطرناک ارادے سے آگاہ کر دیتا تو آج یقیناً صورتِ حال مختلف ہوتی!''

یوسف حلوائی کی سنجیدگی اور جذباتیت سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس واردات میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ صداقت علی نے مقتول کے گھر میں اس کے آنے جانے کی بنا پر اسے بھی داؤد کے برابر لا کھڑا کیا تھا۔ میں نے گفتگو کے زاویے کو تبدیل کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''یوسف! کل اسپتال سے شاہدہ کی لاش آ جائے گی۔ اگر اس وقت تک عارف کا کچھ پتا نہیں چلا تو شاہدہ کی لاش کو کس کے حوالے کیا جائے؟ مجھے پتا چلا ہے، ان دونوں کا اس دنیا میں کوئی عزیز رشتے دار باقی نہیں...... سوائے تمہارے!''

''آپ کو بالکل ٹھیک بتایا گیا ہے تھانے دار صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''بہرحال، میں عارف کا سوتیلا بھائی ہی سہی مگر مجھ سے جو کچھ ہوسکا وہ میں ضرور کروں گا۔شاہدہ میری بھابی تھی۔ میں اس کے کفن دفن کو اپنے ذمے لیتا ہوں۔آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں!''

میں نے مزید چند منٹ تک یوسف حلوائی سے بات کر کے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

وہ میرا شکریہ ادا کر کے رخصت ہوگیا۔

☆☆☆

اگلی صبح میں تیار ہو کر حسبِ معمول اپنے کمرے میں پہنچا اور حوالدار نصیر شاہ کو اپنے پاس بلالیا۔ ان دنوں میری رہائش تھانے کی حدود ہی میں واقع سرکاری کوارٹر میں تھی جو تھانے کے پچھواڑے تھا۔گزشتہ روز جب تک میں اپنی کرسی پر موجود رہا، عارف کی واپسی کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ صداقت علی سے حاصل ہونے والی معلومات کی بنا پر پہلے تو میں نے ازخود چک عمر جانے کا فیصلہ کیا تاکہ داؤد نامی اس غنڈے کو گردن سے پکڑ کر واپس لاؤں جس کی شاہدہ کے گھر میں مشکوک آمدورفت کا سلسلہ سننے میں آیا تھا لیکن عصر کے بعد تھانے میں اچانک ہنگامی صورتِ حال پیش آگئی جس کے سبب میں کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رہا۔

میں نے حوالدار کو اپنے پاس بلایا۔''میں نے آپ کو اپنے پاس اس لیے بلایا تھا۔ کیا داؤد چک عمر سے واپس آگیا؟''

''نہیں جناب! ابھی تک اس کی واپسی نہیں ہوئی!''

''اور عارف کی کوئی خیر خبر ہے؟''

''وہ بھی کسی کو نظر نہیں آیا!''

''ہوں......!'' میں گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر پوچھا۔''اور وسیم کی کیا رپورٹ ہے؟''

''وہ نگرانی کے کام پر ڈٹا ہوا ہے۔'' حوالدار نے بتایا۔ ''ابھی تک وہاں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جس کی رپورٹ کے لیے وسیم کو تھانے کا رخ کرنا پڑے۔''

میں نے کہا۔''شاہ جی! آپ ایک کام کریں۔''

وہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اضافہ کیا۔''آپ اسی وقت چک عمر روانہ ہوجائیں۔ چک عمر پینتیس، چالیس گھروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہ معلوم کرنا ذرا مشکل نہیں ہوگا کہ داؤد وہاں کس سے ملنے گیا ہے۔ آپ اسے اپنے ساتھ تھانے لے آئیں۔ اُدھر جانے کا پروگرام تو میرا تھا لیکن اب تھانے میں موجود رہنا ضروری ہے۔ پتا نہیں، سرکاری اسپتال سے کس وقت شاہدہ کی لاش آجائے۔ اسے یہاں سے گئے ہوئے چوبیس گھنٹے ہوگئے ہیں!''

''جو آپ کا حکم ملک صاحب!'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ''میں ابھی روانہ ہوجاتا ہوں۔''

ایک فوری خیال کے تحت میں نے اس سے پوچھا۔ ''چک عمر آنے جانے کا راستہ تو ایک ہی ہے نا؟''

''جی ہاں، بالکل ایک ہی راستہ ہے۔'' اس نے بتایا۔

''ٹھیک ہے!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''ہوسکتا ہے، چک عمر پہنچنے سے پہلے ہی آپ کی اس سے ملاقات ہوجائے۔ داؤد کے گھر والوں کے مطابق، اسے آج واپس آنا ہے۔''

حوالدار نصیر شاہ مجھے سلام کر کے کمرے سے نکل گیا۔

ٹھیک دس منٹ کے بعد وہ واپس آگیا۔ میں نے تعجب خیز نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا۔''شاہ جی! اتنی جلدی آپ چک عمر سے ہو بھی آئے؟''

''جناب! تھانے سے نکلنے کے بعد مجھے ایک اہم بات یاد آگئی اس لیے چک عمر کی طرف جانے سے پہلے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔'' اس نے اضطراری لہجے میں بتایا۔

میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

کچھ کہنے کے بجائے اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ٹٹولنے والے انداز میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کا ہاتھ جیب سے باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں مجھے سگریٹ کا ایک پیکٹ نظر آیا۔ وہ مذکورہ پیکٹ میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔''یہ دیکھیں جناب!''

میں نے پیکٹ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ وہ ہتھوڑا مارکا (فوکس اون) سگریٹ کا پیکٹ تھا۔ میں نے پیکٹ کھول کر اندر جھانکا۔ اس میں تین سگریٹ بھی موجود تھے۔ وہ دس سگریٹ والا پیکٹ تھا، یعنی اس کے سات سگریٹ استعمال کیے جاچکے تھے۔ ہتھوڑا مارکا سگریٹ کے پیکٹ پر ایک محنت کش لوہار کو ہتھوڑے کی مدد سے لوہا کوٹتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ وزنی آہنی ہتھوڑے کی ضرب لگاتے وقت اس لوہار کے بازوؤں کی مچھلیاں بہت نمایاں ہوگئی تھیں۔ یہ اس زمانے کے مزدوروں اور محنت کشوں کا پسندیدہ سگریٹ برانڈ تھا جو معیاری ہونے کے علاوہ خاصا سستا بھی تھا۔

حوالدار نصیر شاہ نے فوکس اون کا پیکٹ کس مقصد سے

مجھے دیا تھا، یہ میں نہیں جانتا تھا لہٰذا میں نے تیکھے انداز میں اس سے دریافت کیا۔ ''شاہ جی! آپ کو تو معلوم ہے، میں سگریٹ نوشی نہیں کرتا، پھر یہ سب کیا ہے؟''

''جناب! میں بھی سگریٹ نہیں پیتا ہوں!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اسی لیے یہ اہم بات سامنے بھی آگئی ورنہ میں تو سگریٹ کے اس پیکٹ کو جیب میں رکھ کر بھول ہی گیا تھا۔ وہ تو میری گھر والی نے جب کان کھینچے تو مجھے سب کچھ یاد آگیا۔''

بات اب بھی میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ نصیر شاہ جوشِ جذبات میں سب کچھ ٹھیک طرح بتا نہیں پارہا تھا جو اس کے ذہن میں تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شاہ جی! آپ اطمینان اور سکون سے بتائیں، سگریٹ کے اس پیکٹ کا کیا قصہ ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں، اس کے ساتھ کوئی نہایت ہی دلچسپ کہانی جڑی ہوئی ہے...... کوئی اہم واقعہ!''

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''بات دراصل یہ ہے جناب کہ سگریٹ کا یہ پیکٹ مجھے کل جائے وقوعہ پر پڑا ملا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا کہ آپ کو دکھاؤں گا۔ آپ اس وقت لاش والے کمرے میں قانونی کارروائی میں مصروف تھے۔ سگریٹ کا یہ پیکٹ مجھے برابر والے کمرے سے ملا تھا۔ یہ پیکٹ میرے ذہن سے نکل گیا اور میرے ساتھ گھر پہنچ گیا۔ میں نے آج صبح یونیفارم دھونے کے لیے اپنی گھر والی کو دیا تو ظاہر ہے، پانی میں ڈالنے سے پہلے اس نے جیبوں کی تلاشی لی تاکہ کوئی اہم کاغذ کپڑوں کے ساتھ دھل کر صاف نہ ہوجائے۔ جب ایک جیب سے یہ پیکٹ برآمد ہوا تو وہ مجھ پر چڑھ دوڑی۔ جناب! میں تھانے میں حوالدار ضرور ہوں لیکن گھر میں میری بیوی کسی تھانیدار سے کم نہیں۔ میں اپنی گھر والی سے بہت ڈرتا ہوں جناب!''

''ہر شریف شوہر اور بچوں کا باپ اپنی بیوی سے ڈرتا ہے شاہ جی!'' میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''خیر، آپ بتائیں کہ آگے کیا ہوا؟''

''جناب! میری گھر والی کو شک ہوا کہ میں نے سگریٹ پینا شروع کر دی ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنی پوزیشن صاف کی ہے۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اب آپ دیکھ لیں کہ سگریٹ کے اس پیکٹ کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے، موجودہ کیس میں، ممکن ہے، اس کی مدد سے ہم قاتل کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوجائیں!''

میں نے اس کمرے میں بھی استعمال شدہ سگریٹ کے چند ٹوٹے پڑے دیکھے تھے جہاں شاہدہ کی لاش پائی گئی تھی لیکن مجھے یاد نہیں کہ وہ ٹکڑے ہتھوڑا مار کا سگریٹ ہی کے تھے یا کسی اور برانڈ کے۔ بہرحال، یہ اس صورت میں ایک اہم اشارہ تھا اگر عارف سگریٹ نوشی نہ کرتا ہو...... یا کم ازکم وہ ہتھوڑا مار کا سگریٹ نہ پیتا ہو۔ تو یہ سوچا جاسکتا تھا کہ اس گھر میں کوئی ایسا شخص آیا تھا جو ہتھوڑا مار کا سگریٹ پینے کا عادی تھا اور اس نے وہاں کچھ وقت بھی گزارا تھا!

''ٹھیک ہے شاہ جی!'' میں نے فوکس اون کے پیکٹ کو اپنی میز کی دراز میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں اس پر ریسرچ کرتا ہوں۔ آپ فوراً چک عمر روانہ ہوجائیں۔''

وہ منت آمیز لہجے میں بولا۔ ''ملک صاحب! میں نے اپنے تئیں گھر والی کو یہ یقین دلانے کی کوشش تو کی ہے کہ میں سگریٹ نوشی نہیں کرتا لیکن اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ وہ اس امر کی تصدیق آپ سے بھی کرے گی اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اگر وہ میری غیر موجودگی میں اِدھر آئے تو آپ اس کی اچھی طرح تسلی کر دیں!''

''آپ بے فکر ہوجاؤ شاہ جی!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں آپ کی گھریلو تھانیدار کو اچھی طرح سمجھا دوں گا۔''

وہ میرا شکریہ ادا کر کے رخصت ہوگیا۔

میں مزید ایک گھنٹے تک تھانے میں موجود رہ کر روزمرہ کے اہم امور نمٹاتا رہا پھر ایک ضروری سوچ کے تحت تھانے سے نکل آیا۔ میری منزل عارف کا گھر تھی۔ کانسٹیبل وسیم کو نگرانی کرتے ہوئے میں نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ جب میں نے عارف کے دروازے پر لگے ہوئے سرکاری تالے میں چابی گھمائی تو وسیم میرے قریب آگیا۔ ہم دونوں ایک ساتھ گھر کے اندر داخل ہوئے۔

میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''وسیم! سب خیریت تو ہے نا؟''

''جی ملک صاحب! ابھی تک تو سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ کسی شخص نے اِدھر آنے یا غیر قانونی طور پر گھر میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی عارف کی واپسی ہوئی ہے۔''

''شاباش!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''بس ایک دن کی ڈیوٹی اور ہے۔ میں کل صبح تمہیں واپس بلا لوں گا مجھے امید ہے، جب تک اس کیس کی نیا کنارے لگ جائے گی۔''

میں نے کانسٹیبل سے باتیں کرنے کے دوران میں گھر

کے پچھلے حصّے میں بنے ہوئے دونوں کمروں کا جائزہ بھی لے لیا۔ لاش والے کمرے میں میری تمام تر توجہ استعمال شدہ سگریٹ کے ٹکڑوں پر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میں نے خاصی تقویت محسوس کی کہ وہ تمام تر ٹکڑے نوکس اون المعروف بہ ہتھوڑا مارکا سگریٹ ہی کے تھے۔ گزشتہ روز میں ساتھ والے کمرے کا تفصیلی معائنہ نہیں کرسکا تھا۔ اب میں نے اس کا بھی جائزہ لیا۔ مذکورہ کمرا اسٹور روم کا نقشہ پیش کررہا تھا۔

ایک جانب دیوار کے ساتھ لکڑی کے ایک بڑے تخت پر نیچے سے اوپر تک بستر رکھے تھے۔ وہ کم از کم نصف درجن افراد کے استعمال کے لیے لحاف اور گدے تھے، اتنی ہی تعداد میں تکیے اور چادریں بھی تھیں، میری سمجھ میں نہ آیا کہ دو افراد کی اس مختصر سی فیملی کو اتنے اوڑھنے اور بچھونے کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال، دوسری دیوار کے ساتھ تین ڈرم پہلو بہ پہلو رکھے ہوئے تھے۔ ساڑھے تین، چار فٹ اونچے نیلے رنگ کے وہ پلاسٹک کے ڈرم دراصل کسی ٹیکسٹائل کیمیکل کے لیے استعمال ہوتے تھے لیکن بعدازاں لوگ انہیں دھو مانجھ کر گھریلو استعمال میں لے آتے تھے اور عموماً ان میں اناج اسٹور کیا جاتا تھا۔ میں نے ایسے ڈرم کئی گھروں میں رکھے دیکھے تھے۔

میں نے مذکورہ ڈرمز میں سے ایک کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔ اس کے اندر مجھے گندم بھری ہوئی نظر آئی۔ میں سمجھ گیا باقی دو ڈرمز میں آٹا اور چاول کا ذخیرہ ہوگا۔ میں ڈرمز کو چھوڑ کر دیگر اشیا کی جانب متوجہ ہوگیا لیکن وہاں پر کوئی بھی ایسی چیز دکھائی نہ دی جو اس کیس میں کسی طور معاون ثابت ہوتی۔

میں نے دونوں کمروں کو دوبارہ لاک کیا اور گھر کے صحن میں آگیا۔ اس دوران میں وسیم مسلسل میرے ساتھ رہا تھا لیکن اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ میں اسے چند نئی ہدایات دینے کے بعد واپس آگیا۔

اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی سوال گونج رہا تھا اور وہ یہ کہ آیا عارف سگریٹ نوشی کا عادی تھا یا نہیں اور اگر وہ سگریٹ پیتا تھا تو کون سی برانڈ؟

اس سوال کا تسلی بخش جواب یا تو شاہدہ دے سکتی تھی اور یا پھر یوسف حلوائی۔ شاہدہ کسی سوال وجواب کے قابل نہیں رہی تھی لہٰذا میرے قدم بے اختیار مجھے یوسف حلوائی کی دکان لے گئے۔

یوسف نے ابھی ابھی دکان کھولی تھی اور شوکیس میں مٹھائی کے تھال سیٹ کررہا تھا۔ اس وقت وہ تہ بند اور بنیان میں ملبوس تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ استقبالیہ انداز میں آگے بڑھا۔ ''آئیں جی...... آئیں جی...... سو بسم اللہ!''

اس کے ساتھ ہی اس نے جھاڑن نما ایک کپڑے سے اسٹول کو صاف کرکے میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''تشریف رکھیں جناب!''

میں نے یوسف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کوئی تکلف نہ کرو۔ میں یہاں تشریف رکھنے نہیں آیا۔ اِدھر سے گزر رہا تھا، سوچا تمہاری دکان ہی دیکھ لوں۔ کیا پتا کبھی مٹھائی لینے کے لیے آنا پڑ جائے!''

''جناب! کمال کرتے ہیں آپ بھی'' وہ چور نظروں سے دکان کے اندرونی حصّے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو زحمت کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ آپ اشارہ کردیں مٹھائی تھانے میں آپ کی میز پر پہنچ جائے گی۔'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا پھر رازدارانہ انداز میں بولا ''آج میں تازہ تازہ میسو پاک بنانے والا ہوں۔ اگر آپ کا حکم ہو تو سیر، دو سیر بھجوا دیتا ہوں!''

میں جب اس کی دکان پر پہنچا تھا تو مجھے وہیل کم کہنے سے پہلے بھی اس نے کن انکھیوں سے دکان کے اندر جھانکا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے یہی حرکت کی تو میں کھٹک گیا تاہم معقول لہجے میں اس کے استفسار کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''نہیں سیر، دو سیر مٹھائی اٹھا کر تھانے لانے کی ضرورت نہیں یوسف۔ مجھے جب ضرورت ہوگی تو میں خود ہی تمہاری دکان سے منگوالوں گا۔'' ایک لمحے کا توقف کرکے میں نے بے ساختہ اس سے پوچھ لیا۔ ''یہ تم بار بار چور نظروں سے دکان کے اندر کیا دیکھ رہے ہو؟''

وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ ''وہ جی بات دراصل یہ ہے کہ آپ کے آنے سے پہلے میں سگریٹ پی رہا تھا۔ کیا کروں، جب تک ایک آدھ سگریٹ نہ پھونک لوں دماغ کام ہی نہیں کرتا۔ آپ کو دیکھ کر میں نے ادھ جلا سگریٹ اندر رکھ دیا تھا۔ اب بار بار اِدھر دھیان جاتا ہے کہ کسی شے میں آگ نہ لگ جائے!''

''تم فوراً وہ سگریٹ اٹھا لاؤ۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''باقی باتیں بعد میں بھی ہوسکتی ہیں۔''

اس نے پلک جھپکتے میں میرے حکم کی تعمیل کردی۔ وہ واپس آیا تو اس کی انگلیوں میں ادھ جلا سگریٹ دیکھ کر میں نے پوچھا۔ ''تم کون سا سگریٹ پیتے ہو؟''

اس نے سگریٹ کے ٹوٹے کو زمین پر پھینکا اور پھر جوتے کے نیچے مسلتے ہوئے سادگی سے بولا۔ ''کم خرچ

بالانشین!''

''کیا یہ کوئی نیا سگریٹ آیا ہے؟'' میں نے آنکھیں سکیڑ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

''او نہیں جناب!'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں ''ہتھوڑا مارکا'' سگریٹ کی بات کر رہا ہوں۔''

ہتھوڑا مارکا کے الفاظ نے میری سوچ پر ایک ضرب سی لگائی۔ میں نے گمبھیر لہجے میں اس سے پوچھا۔ ''یوسف! تم کتنے عرصے سے سگریٹ پی رہے ہو؟''

''اس شے سے دوستی کیے تو جناب آٹھ دس سال ہو گئے ہیں۔'' وہ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اس دوران میں کئی ''مارکا'' ٹیسٹ کیے ہیں مثلاً بگلا مارکا، تارا مارکا، لالٹین مارکا، قینچی مارکا...... کون سا مارکا ہے جو میں نے ٹرائی نہ کیا ہو۔ آخر کار ہتھوڑا مارکا پر آ کر رک گیا ہوں۔ پچھلے دو سال سے میں یہی سگریٹ پی رہا ہوں...... اور میں نے غلط نہیں کہا جناب! یہ سگریٹ واقعی کم خرچ بالانشین ہے!''

یہ پچاس ساٹھ سال پہلے استعمال ہونے والے عوامی سگریٹ برانڈ ہیں اور آج کل ان میں سے کوئی کہیں نظر نہیں آتا اس لیے سگریٹ کے اس تذکرے کو کہانی کی ضرورت سمجھا جائے۔ میں سگریٹ بنانے والی کسی کمپنی کے لیے اشتہار بازی ہرگز نہیں کر رہا ہوں!

میں نے یوسف سے پوچھا۔ ''تم روزانہ کتنے سگریٹ پی لیتے ہو؟''

''بس جی، ایک ڈبی ختم کر لیتا ہوں۔''

''ایک ڈبی...... یعنی دس سگریٹ!'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا پھر اس کی دکان کے برابر واقع تکے کباب کی بند دکان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اور یہ تمہارا سوتیلا بھگوڑا بھائی کتنے سگریٹ پھونک لیتا ہے؟''

وہ فوراً سے پیش تر سمجھ گیا کہ میرا اشارہ شاہدہ کے شوہر عارف کی جانب تھا۔ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس نے بتایا۔ ''یہ عارف تو سگریٹ نوشی کے سخت خلاف ہے۔ ہر وقت مجھے بھی نصیحتیں کرتا رہتا ہے کہ میں سگریٹ پینا چھوڑ دوں ورنہ مجھے ٹی بی ہو جائے گی لیکن میں اس کی باتیں سن کر ہنستا ہوں۔ وہ سگریٹ نوشی سے شدید نفرت کرتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس کی صحت ''ماشاء اللہ'' ہے۔ وہ چہرے ہی سے صدیوں کا بیمار نظر آتا ہے اور میں...... دیکھ لیں جناب! آپ کے سامنے ہوں...... ہٹا کٹا اور صحت مند!''

اس زمانے میں دل کی بیماریوں کا ذکر بہت کم سننے میں آتا تھا اور کینسر کا نام تو شاید ہی کسی نے سنا ہو چنانچہ سگریٹ پینے والوں کو ٹی بی اور کھانسی ہی سے ڈرایا جاتا تھا تاہم آج کا چلن بالکل مختلف ہے۔ وہ سادہ، منافقت سے پاک زمانے گزر گئے۔ آج کل سب سے زیادہ رنگین اور سنگین اشتہار بازی سگریٹ کی ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ آپ ان اشتہاروں کو ''توبہ شکن'' کہیں تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔ وزارت صحت صرف یہ کہہ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیتی ہے...... ''سگریٹ نوشی مضر صحت ہے۔ یہ کینسر اور دل کی بیماریوں کا باعث ہے!'' اللہ اللہ خیر سلا!

میں نے یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا واقعی عارف سگریٹ نہیں پیتا؟''

''میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں ملک صاحب!'' وہ چوکنا نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''اچھا...... مجھے تو لگا تھا، وہ سگریٹ نوشی کرتا ہے!''

''آپ کو کس بات سے ایسا لگا؟'' اس کا چوکنا پن تشویش میں بدل گیا۔ ''یہ بات آپ کو کس نے بتائی ہے؟''

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خیال انگیز لہجے میں کہا۔ ''بتائی تو کسی نے نہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا!''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ تیز آواز میں بولا۔ ''آپ نے کب اور کہاں عارف کو سگریٹ پیتے دیکھا ہے؟''

''میں نے اسے سگریٹ پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بلکہ کل اس کے گھر میں مجھے سگریٹ کے چند ٹوٹے پڑے نظر آئے تھے۔ اگر عارف واقعی سگریٹ سے نفرت کرتا ہے تو پھر مجھے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس کے گھر میں بیٹھ کر سگریٹ کس نے پیے تھے۔ مجھے یقین ہے، اس طرح میں شاہدہ کے قاتل تک پہنچ جاؤں گا۔''

میں نے یوسف حلوائی کے چہرے کی رنگت کو بدلتے ہوئے فوراً محسوس کر لیا۔ تاثرات کی اس تبدیلی میں خوف اور تشویش کا عنصر نمایاں تھا اور...... اس بات نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ یہ نقطہ غور و فکر کی دعوت دیتا تھا کہ عارف کے گھر میں پائے جانے والے سگریٹ کے ٹکڑوں نے یوسف حلوائی کو اتنا زیادہ بے چین کیوں کر دیا تھا۔ میری چھٹی حس نے اسی لمحے کسی بڑی گڑبڑ کی نشاندہی کر دی لیکن حقیقت کی تہ تک پہنچنے کے لیے میں نے اپنی سوچ اور محسوسات کو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا اور تجربہ کار کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے یک ٹک گھورتا چلا گیا۔

اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''ملک صاحب! آپ نے

عارف کے گھر میں سگریٹ کے جو ٹکڑے پڑے دیکھے ہیں وہ کس برانڈ کے تھے؟''

یہ سوال کہیں اس کے بہت اندر سے آیا تھا جیسے سگریٹ کے برانڈ کے بارے میں جاننا اس کے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہو۔ میں نے سگریٹ والے معاملے میں اس کی تشویش آمیز دل چسپی دیکھی تو عام سے لہجے میں کہا۔

''او جی، لعنت بھیجو سگریٹ کے برانڈ پر۔ یہ کوئی اتنی خاص بات نہیں ہے۔ یہ تو تمہاری سگریٹ نوشی سے عارف کا تذکرہ نکل آیا اور میں تم سے پوچھتا چلا گیا۔ اس کے گھر میں کوئی سے بھی سگریٹ پڑے ہوں، ہمیں اس سے کیا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے......!'' میں نے رازدارانہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا اور اضافہ کرتے ہوئے کہا۔'' کہ عارف تمہارے سامنے سگریٹ کی برائی کرتا ہو اور گھر میں چھپ چھپ کر سگریٹ پیتا ہو۔ انسان کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے یوسف!''

''ہاں...... یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ وہ ظاہر یہی کر رہا تھا جیسے میری وضاحت سے مطمئن ہوگیا ہو لیکن مجھے بہ خوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اندر سے بری طرح بے چین ہے، یوسف کی یہی بے چینی، بے قراری اور انتشار مجھے انتہا تک سوچنے پر مجبور کر رہی تھی اور اس صورتِ حال میں عارف کے پڑوسی صداقت علی کے یہ الفاظ میری سماعت میں گونج رہے تھے...... تھانیدار صاحب! یوسف بھی شاہدہ کے لیے ایک نامحرم ہی ہے۔ عارف کی غیر موجودگی میں چوری چھپے شاہدہ سے اس کی ملاقاتوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا!

میں نے اسی لمحے فیصلہ کرلیا کہ یوسف حلوائی کو چیک کرنے کے لیے میں نفسیاتی طریقۂ کار اختیار کروں گا۔ اگر وہ کسی بھی زاویے سے شاہدہ والے معاملے میں ملوث ہے تو میرے نفسیاتی جال سے بچ نہیں سکے گا۔ میں نے اسے مطمئن اور بے خبر رکھنے کے لیے سرسری انداز میں کہا۔''یوسف! عارف کی سگریٹ...... بلکہ خفیہ سگریٹ نوشی سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کل صبح تمہارے ساتھ اس کے گھر جاؤں گا پھر تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا، وہ چھپ چھپ کر کون سے برانڈ کے سگریٹ پیا کرتا تھا!''

وہ تجویز دینے والے انداز میں بولا۔''میں اس وقت فارغ ہوں۔ اگر آپ کہیں تو ہم ابھی عارف کے گھر جا کر دیکھ لیتے ہیں!''

اس کی حد سے زیادہ بڑھتی ہوئی دل چسپی میرے شک کو یقین میں بدلنے کا باعث بن رہی تھی۔ میں نے اپنے چہرے کے تاثرات کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تم فارغ ہوگے لیکن میں ہرگز نہیں ہوں...... آج ایک اہم معاملے میں سارا دن تھانے میں میری موجودگی بہت ضروری ہے۔''

وہ قدرے مطمئن ہوا کہ میں آج کا پورا دن تھانے میں گزارنے والا ہوں، پوچھنے لگا۔

''تھانے دار صاحب! شاہدہ کی لاش کب تک اسپتال سے واپس آئے گی۔ عارف کا تو ابھی تک کچھ پتا نہیں۔ اس کے کفن دفن کا بندوبست مجھے ہی کرنا ہوگا اس لیے پوچھ رہا ہوں!''

میں نے اسے بے خبر رکھنے کے لیے دانستہ جھوٹ بولا۔''میرے خیال میں شاہدہ کی لاش کل صبح ہی یہاں پہنچے گی۔ اس کے بعد تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا کہ تم اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست اس کے گھر پر کرتے ہو یا اپنے گھر پر!''

وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔''لاش اسپتال سے آجائے تو پھر ہی کوئی بہتر فیصلہ کیا جاسکتا ہے!''

''لاش کے حوالے سے کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں فوری طور پر اپنی دکان بند کرنے کا فیصلہ کرنا چاہیے یوسف!'' میں نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔ ''عارف سوتیلا ہی سہی لیکن شاہدہ پھر بھی تمہاری بھابی تھی۔ کم از کم اس کے سوم تک تو تمہیں دکان نہیں کھولنی چاہیے!''

وہ قدرے شرمندہ ہوا پھر خجالت آمیز لہجے میں بولا۔ ''ٹھیک ہے جناب! میں ان بنی ہوئی مٹھائیوں کو کسی ٹھکانے لگا کر دکان کو تالا لگاتا ہوں۔ مٹھائیوں کے یہ تھال اسی طرح اگر تین چار دن تک دکان میں بند رہے تو سب کا ستیاناس ہوجائے گا۔''

میں اس کی دکان سے نکل کر تھانے کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆

شام سے تھوڑی دیر پہلے حوالدار نصیر شاہ لوٹ آیا اور آکر اس نے یہ خبر سنائی۔'' ملک صاحب! داؤد وہاں چک عمر میں الیاس گھسن نامی ایک شخص سے ملنے گیا تھا لیکن جب میں وہاں پہنچا تو وہ دونوں گاؤں سے نکل چکے تھے۔''

''گاؤں سے نکل کر وہ کہاں گئے؟'' میں نے پوچھا۔

''اگر وہ بخت پور کی طرف آئے ہوتے تو یقیناً راستے میں ان سے ملاقات ہوجاتی!''

''جناب! مجھے پتا چلا ہے، وہ ''بدری وال'' کی طرف گئے ہیں۔'' نصیر شاہ نے بتایا۔

میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''بدری وال، چک عمر اور داؤد کو فی الحال ذہن سے نکال دیں، آپ کو کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں بخت پور میں بڑا دلچسپ اور سنسنی خیز ڈراما ہونے والا ہے!''

''سنسنی خیز ڈراما؟'' وہ الجھن اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے نصیر شاہ کو یوسف حلوائی کے رد یے اور اپنے عزائم کے بارے میں تفصیلاً آگاہ کیا۔ پوری بات توجہ سے سننے کے بعد اس نے کہا۔ ''ملک صاحب! اس کام کے لیے رات کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ابھی اسے پکڑ کر لے آتا ہوں۔ تھوڑی چھترول ہوگی تو خود ہی سب کچھ بک دے گا!''

''یہ خیال میرے ذہن میں بھی آیا تھا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن رنگے ہاتھوں پکڑنے کا تو مزہ اور ہی ہے۔''

''کیا ضروری ہے کہ وہ رات ہی کو عارف کے گھر میں داخل ہو۔'' نصیر شاہ نے ایک اعتراض اٹھایا۔ ''اگر وہ سگریٹ کے ٹکڑے اس کے لیے جان کا عذاب بن سکتے ہیں تو وہ دن میں کسی وقت بھی وہاں جا سکتا ہے۔''

''میرے پیشہ ورانہ تجربے کے مطابق، اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں!'' میں نے پُراعتماد انداز میں کہا۔ ''میں نے بڑی اچھی طرح اسے یقین دلایا ہے کہ میں کل صبح سے پہلے عارف کے گھر کا رخ نہیں کروں گا لہٰذا وہ رات کی تاریکی میں ہی کوئی کارروائی کرے گا۔ ہم پہلے سے گھر کے اندر موجود ہوں گے لہٰذا وہ رنگے ہاتھوں گرفت میں آجائے گا۔'' ''اگر وہ حماقت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے دن دہاڑے عارف کے گھر میں داخل ہوتا ہے تو وسیم کی نظر سے نہیں بچ سکے گا۔ وسیم کی اطلاع پر، اس صورت میں بھی ہم اسے قابو کرلیں گے۔ پھر ایک بات اور بھی ہے...... جب تک شاہدہ کی لاش کے حوالے سے اسپتال کی جانب سے کوئی اطلاع نہیں آجاتی، مجھے تھانے ہی میں رہنا ہوگا!''

''ملک صاحب!'' وہ ندامت آمیز انداز میں اپنی پیشانی کو سہلاتے ہوئے بولا۔ ''باتوں میں، میں آپ کو یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ چک عمر سے واپسی پر میں اسپتال سے بھی ہوتے ہوئے آرہا ہوں۔ وہاں کی پکی اطلاع یہ ہے کہ کل صبح پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ کے ساتھ لاش یہاں آئے گی۔''

''اس کا مطلب ہے، آج کی رات ہم بے فکری سے یوسف حلوائی کو اپنے جال میں پھانس سکتے ہیں!'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا پھر اس کے ساتھ ہی یہ اضافہ بھی کردیا۔ ''شاہ جی! آپ کسی طرح یوسف تک یہ خبر پہنچادیں کہ لاش کل صبح آئے گی تاکہ وہ اطمینان سے رات ہی کو ہمارے پھیلائے ہوئے جال میں قدم رکھے۔''

''ٹھیک ہے جناب! یہ میں کرلوں گا!'' وہ پُریقین لہجے میں بولا۔

دن کا باقی حصّہ میں نے یوسف حلوائی کے بارے میں سوچ بچار اور اسے گرفت میں لانے کی پلاننگ کرتے ہوئے گزارا اور رات کو ''پوری تیاری'' کے ساتھ عارف کے گھر پہنچ گیا۔ میرے ساتھ اس مشن میں نصیر شاہ بھی شامل تھا۔ وسیم کو میں نے وہاں سے ہٹادیا تھا کیونکہ گھر کے اندر ہماری موجودگی کے بعد بیرونی نگرانی کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

منصوبے کے مطابق، میں اس کمرے میں چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے شاہدہ کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ یوسف کی آمد کے زیادہ امکانات اسی کمرے میں تھے۔ حوالدار نصیر شاہ کو میں نے دوسرے کمرے یعنی اسٹور روم میں چھپا کر بٹھادیا۔ ان دنوں موسم کچھ اس نوعیت کا تھا کہ سرِشام ہی فضا میں خنکی اتر آتی تھی لہٰذا کمروں کے اندر چھپ کر بیٹھنا ہمارے لیے چنداں دشوار ثابت نہیں ہوا۔

رات دس بجے کا وقت ہوگا جب میں نے گھر کے صحن میں کسی شخص کے کودنے کی مخصوص آواز سنی۔ گویا میرے اندازوں کو صد فیصد درست ثابت کرنے کے لیے یوسف حلوائی نے عارف کے گھر میں انٹری ڈال دی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑ پٹر کا احساس ہوا اور اگلے ہی لمحے دروازہ دھیرے سے کھلا۔ میں ایسی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ باہر سے آنے والا مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا جبکہ میں بہ آسانی اس کا جائزہ لے سکتا تھا اور...... میں نے کھلے ہوئے دروازے میں اندھیرے کے باوجود بھی مخصوص قد کاٹھ اور جسامت کی بنا پر یوسف حلوائی کو فوراً پہچان لیا۔

وہ محتاط قدموں سے کمرے کے اندر داخل ہوا، جیب سے ایک موم بتی نکال کر جلائی اور اس کی روشنی میں کمرے کے فرش پر کچھ تلاش کرنے لگا۔ میں اوٹ میں چھپا بڑی خاموشی سے اس کی کارروائی دیکھتا رہا۔ اس نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر تھوڑا مار کا سگریٹ کے ٹکڑے جمع کیے، انہیں احتیاط سے

جیب میں رکھا اور جلتی ہوئی موم بتی کو ہاتھ میں تھامے تھامے کمرے سے باہر نکل گیا۔ یہ اچھا ہوا کہ کمرے سے نکلتے وقت اس نے دروازے کو کنڈی نہیں لگائی تھی ورنہ میرا کمرے سے باہر آنا مشکل ہو جاتا۔ اب اس کا رخ دوسرے کمرے کی طرف تھا۔ میں نے ٹارچ کو ہاتھ میں لیا اور باہر نکل آیا۔ جب میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں پہنچا تو وہ اسٹور روم میں داخل ہو چکا تھا۔ میں تیزی سے اس سمت لپک گیا۔

اسی لمحے اسٹور روم کے اندر سے ایسی آوازیں ابھریں جیسے دو افراد میں مڈبھیڑ ہوگئی ہو۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یوسف حلوائی کا حوالدار نصیر شاہ سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ میں فوراً کمرے کے دروازے پر پہنچا اور ٹارچ کو روشن کر کے اس کی روشنی کمرے کے اندر پھینکی۔

روشنی کے مخصوص دائرے میں مجھے وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا نظر آئے۔ حوالدار نے مجھے پکارتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔ ''ملک صاحب! یہ کیس حل ہو گیا۔ میں نے عارف کی لاش دریافت کر لی ہے۔''

''عارف کی لاش؟'' میرے لہجے میں حد درجے حیرت سمٹ آئی۔ ''مگر وہ تو ......!''

''میں نے اس موٹے خبیث کو قابو کر لیا ہے۔'' نصیر شاہ پُر جوش لہجے میں بولا۔ ''اس کو ہتھ کڑی لگائیں پھر میں آپ کو عارف کی لاش کے بارے میں بتاتا ہوں۔''

نصیر شاہ نے ''گمشدہ'' عارف کے حوالے سے اتنا بڑا انکشاف کیا تھا کہ میرے ہاتھ پاؤں کسی تیز رفتار مشین کے مانند حرکت میں آگئے۔ حوالدار نے یوسف کو قابو کرنے کا دعویٰ تو کیا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں نہیں تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر یوسف حلوائی کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ میرے خوف ناک ٹھڈوں اور زناٹے دار طمانچوں نے ایک دو منٹ میں ہی اسے ''سیدھا'' کر دیا۔ حوالدار نے میرے اشارے پر اسے الٹی ہتھ کڑی لگا دی۔

میں نے کہا۔ ''شاہ جی! اس بد بخت کا ''انٹرویو'' تھانے لے جا کر ہی کریں گے۔ آپ عارف کی لاش کے بارے میں بتائیں؟''

''وہ بے چارہ ...... میرا مطلب ہے، اس کی لاش اِدھر ڈرم کے اندر پڑی ہے۔'' حوالدار نے ایک دیوار کے ساتھ پہلو بہ پہلو رکھے تین ڈرموں کی جانب اشارہ کیا۔

یہ وہی پلاسٹک کے ڈرمز تھے جو میں نے بھی دیکھے تھے بلکہ ان میں سے ایک کا ڈھکنا اٹھا کر میں اس کے اندر جھانک بھی چکا تھا اور مجھے اس ڈرم میں گندم بھری ہوئی نظر آئی تھی۔ میں نے دوسرے ڈرموں کا جائزہ لیے بغیر ہی یہ فرض کر لیا تھا کہ ان میں چاول اور آٹے کا ذخیرہ ہوگا۔

میں بڑی سرعت سے مذکورہ ڈرموں کی طرف بڑھا تو عقب میں نصیر شاہ کی آواز ابھری۔ وہ اپنی کارروائی کی رپورٹ پیش کر رہا تھا۔

''ملک صاحب! اسٹور روم میں چھپ کر بیٹھنے کے دوران میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ میں ٹارچ جلا کر ایک مرتبہ پھر اس کمرے کا جائزہ لوں۔ یوسف کی آمد سے قبل میرے پاس جو بھی وقت تھا، میں اسے استعمال میں لانا چاہتا تھا۔ اسی جائزے کے دوران میں، جب میں اناج والے ڈرموں کے پاس پہنچا تو دل میں خواہش پیدا ہوئی، مجھے ان ڈرموں کے اندر جھانک کر دیکھنا چاہیے۔ میں نے پہلے ڈرم کا ڈھکنا اٹھا کر اندر ٹارچ کی روشنی پھینکی ہی تھی کہ عارف کی لاش کو وہاں دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ میں آپ کو اس بارے میں بتانے کے لیے کمرے سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ یوسف سے ٹکرا گیا...... پھر آپ آگئے۔ اس کے بعد یہاں جو کچھ بھی ہوا وہ آپ کے سامنے ہے!''

اِدھر نصیر شاہ کی وضاحت ختم ہوئی، اُدھر میں نے اس ڈرم کا ڈھکنا اٹھا لیا جس کی جانب اس نے اشارہ کیا تھا اور پھر...... میں عارف کی لاش کے دیدار سے محروم نہیں رہا۔ میں نے اس سے پہلے عارف کو کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن میری تسلی کے لیے حوالدار کی گواہی کافی تھی کہ وہ عارف ہی کی لاش تھی۔

اس شور شرابے کے باعث آس پاس کے لوگ بیدار ہوگئے تھے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کوئی نصف درجن افراد وہاں جمع ہوگئے جن میں عارف کے دونوں پڑوسی صداقت علی اور ظہور حسین پیش پیش تھے۔ جب انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا تو وہ نفرت انگیز نظروں سے ہتھکڑی لگے یوسف حلوائی کو گھورنے لگے۔

میں نے لالٹینوں اور ٹارچوں کی محدود روشنی میں موقع کی کارروائی مکمل کی اور اسی وقت ہنگامی بندوبست کر کے عارف کی لاش کو ڈرم سمیت پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال بھجوا دیا۔ اس کے بعد یوسف حلوائی کو تفتیش کے لیے اپنے ساتھ تھانے لے آیا۔ وہ جس انداز میں جائے وقوعہ سے گرفتار ہوا تھا اور جس حالت میں عارف کی لاش دریافت ہوئی تھی اس کی روشنی میں یوسف کو کڑی تفتیش سے گزارنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

تھانے پہنچ کر میں نے یوسف سے کہا۔ ''میں تمہیں

صرف دس منٹ دوں گا سوچنے کے لیے۔ اس کے بعد تمہارا بیان قلم بند کروں گا۔ یہ آخری موقع ہوگا سچ بولنے کا۔ اگر تم نے کسی چکر بازی میں پڑ کر یہ سنہری موقع گنوادیا تو پھر تمہیں تفتیش کے کڑے مراحل سے گزرنا پڑے گا جہاں تمہاری زبان تو خاموش رہے گی البتہ، بدن کا ایک ایک عضو حلفیہ سچ بولنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''جناب! آپ مجھے سوچنے کے لیے دس منٹ بھی نہ دیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے، بے خوف لہجے میں بولا۔ ''میں بغیر سوچے سمجھے اپنا بیان ریکارڈ کرانے کو تیار ہوں کیونکہ سچ بولنے کے لیے سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی!''

اس کے اعتماد اور ڈائیلاگ نے مجھے متاثر کیا۔ میں نے گہری نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے، شروع ہو جاؤ!''

اور وہ شروع ہو گیا۔ ''تھانے دار صاحب! میں نے شروع میں آپ سے تھوڑا جھوٹ بولا تھا، اس خوف سے کہ کہیں آپ مجھے اس کیس میں ملوث نہ کر دیں اور اب...... جب کہ ایسا ہو ہی چکا ہے تو میں ذرا سی بھی غلط بیانی نہیں کروں گا۔ آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکا پھر سلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''وقوعہ کے روز صبح جب میں عارف کے گھر تین سو روپے لینے کے لیے پہنچا تو دروازہ خود عارف ہی نے کھولا تھا۔ وہ یہ کہتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ اسٹور روم میں لے گیا...... میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا یوسف۔ اچھا ہوا، تم آگئے۔ میں نے کہا، تم نے بلایا تھا تو مجھے آنا ہی تھا۔ وہ بولا، یوسف، تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں نے تمہیں تین سو روپے دینے کے لیے بلایا ہے! میں نے کہا، ہاں میں تو رقم لینے کے لیے ہی آیا ہوں۔ وہ بولا، رقم کو فی الحال بھول جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔ میں حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ غیر جذباتی لہجے میں بولا، یوسف، میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں بہت جلد اس شخص کا سراغ لگا لوں گا جو اس بے وفائی کے کھیل میں شاہدہ کا ساتھ دے رہا ہے؟ میں نے جواب دیا، ہاں تم نے ایسا کہا تھا۔ وہ خطرناک لہجے میں بولا، میں نے سراغ لگا لیا ہے۔ بدقسمتی سے وہ کوئی ایک شخص نہیں بلکہ دو افراد ہیں جو مختلف اوقات میں شاہدہ سے ملنے میرے گھر میں آتے رہتے ہیں۔ میں نے سادگی سے کہا، عارف! اگر اپنی مرغی اچھی ہو تو وہ پرائے گھر میں انڈا نہیں دیتی! اس نے نفرت آمیز نظروں سے مجھے گھورا اور بولا، مرغی کو تو میں نے ذبح کر ڈالا ہے۔ اب وہ کسی پرائے گھر تو کیا، اپنے گھر میں بھی انڈا دینے کے قابل نہیں رہی۔ اب ان دو مرغوں کے ذبح ہونے کی باری ہے جو بے وفائی کے کھیل میں اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا، وہ دونوں افراد آخر ہیں کون؟ اس نے سنسناتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ایک شخص کا نام ہے داؤد۔ اس کی باری آخر میں آئے گی۔ شاہدہ کے بعد دوسرے شخص کو حلال ہونا ہے اور وہ اس وقت میرے سامنے کھڑا ہے...... یعنی، یوسف تم! میں نے گھبرا کر کہا، عارف تمہیں کوئی شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نے کوئی جواب دینے کے بجائے ڈرم کے اوپر رکھی بڑی سی چھری اٹھالی اور بڑے وحشیانہ انداز میں مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس موقع پر اگر میں پھرتی کا مظاہرہ نہ کرتا تو شاید میں بیان دینے کے لیے آج زندہ نہ ہوتا!''

اس نے لمحاتی توقف کیا، ایک جھرجھری لی اور اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے بڑی ہوشیاری سے اس کا وار خالی دیا اور اس کے ساتھ ہی اسے ایک زوردار دھکا بھی مارا۔ وہ مرد ناتواں میرے دھکے کی تاب نہ لاتے ہوئے سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا اور اگلے ہی لمحے کسی مردہ چھپکلی کی طرح زمین بوس ہو گیا۔ جب کئی منٹ گزر جانے کے بعد بھی اس کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی تو میں نے قریب جا کر اس کا جائزہ لیا...... اور اس لمحے یہ خوف ناک انکشاف ہوا کہ وہ زندہ نہیں۔ اس کی سانس رک گئی تھی۔ جب کچھ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا تو میں نے بے حس و حرکت عارف کو اٹھا کر ایک خالی ڈرم میں ٹھونس دیا اور اوپر سے ڈھکنا بند کر دیا۔ شاید اس کا سر دیوار کے ساتھ اتنی شدت سے ٹکرایا تھا کہ پلک جھپکتے میں اس کی موت واقع ہو گئی۔''

وہ اتنا بتا کر خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔ ''یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عارف کو ڈرم میں ٹھونسنے کے دوران میں تمہاری جیب میں سے ہتھوڑا مارکا سگریٹ کی ڈبیا گر گئی ہوگی لیکن لاش والے کمرے میں استعمال شدہ سگریٹوں کے جو ٹوٹے پائے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے، تم نے کچھ وقت وہاں بھی گزارا تھا۔ تم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کیونکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے جائے وقوعہ سے سگریٹوں کے ٹوٹے چن کر اپنی جیب میں ڈالے تھے تاکہ تمہاری وہاں موجودگی کے آثار باقی نہ رہیں اور...... میں سمجھ رہا ہوں، صبح تمہاری دکان پر ہمارے درمیان سگریٹ نوشی پر جو معنی خیز

گفتگو ہوئی تھی، یہ اسی کا نتیجہ ہے؟''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے جناب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کی باتیں سن کر واقعی گھبرا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ عارف کے بے حس وحرکت جسم کو ڈرم میں ٹھونسنے کے بعد میں ساتھ والے کمرے میں گیا تھا اور وہاں بستر پر مجھے شاہدہ کی گردن کٹی لاش نظر آئی۔ عارف نے غلط نہیں کہا تھا، اس نے اپنی بیوی کو واقعی کسی مرغی کے مانند ذبح کر ڈالا تھا۔ سارا بستر خون آلود ہو رہا تھا۔ میں شاہدہ کی لاش کے پاس ٹہلتے ہوئے اضطراری انداز میں سگریٹ پھونکتا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تھوڑی دیر کے بعد میری سمجھ میں ایک کہانی آئی۔ وہی کہانی جو میں نے شروع میں آپ کو سنائی تھی۔'' وہ ذرا دیر کو رکا، ایک گہری سانس خارج کی اور مزید بتانے لگا۔

''میں نے آلۂ قتل یعنی بڑے سائز کی اس چھری کو باورچی خانے کی دوچھتی پر اس طرح چھپا دیا کہ تلاش کے دوران میں آسانی سے مل جائے اور...... ایسا ہوا بھی۔ آپ نے بہ آسانی آلۂ قتل برآمد کر لیا۔ ابتدا میں سب کچھ میرے حق میں ہو رہا تھا۔ میں نے ہنگامی حالات میں عارف کی لاش کو اناج والے ڈرم میں ٹھونس دیا اور وہ فوری طور پر دریافت نہ ہو سکی۔ یہی سمجھا گیا کہ عارف اپنی بیوی کو قتل کر کے کہیں فرار ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے طور پر یہ سوچ رکھا تھا کہ شاہدہ کے کفن دفن کے بعد جب یہ معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا تو میں عارف کی لاش کو خاموشی سے ٹھکانے لگا دوں گا۔ یہ کام میرے لیے بہت ہی آسان ثابت ہوتا کیونکہ ان دونوں کا قریب ترین رشتے دار میں ہی تھا۔ ان کا گھر میرے قبضے میں آنا ایک سیدھی سی بات تھی لیکن......!''

وہ لمحے بھر کو رکا، مایوسی سے گردن ہلائی اور شکستہ لہجے میں بولا۔ ''آپ نے میری دکان پر آ کر جب سگریٹ نوشی کے بارے میں بات کی اور بتایا کہ جائے وقوعہ سے ہتھوڑا مارکا سگریٹ کے ٹکڑے ملے ہیں تو میں تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج ہی رات کو مجھے ہر کام نمٹا لینا چاہیے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ آپ گھات لگائے بیٹھے ہیں......!''

وہ اپنا تفصیلی بیان دینے کے بعد خاموش ہوا تو میں نے تنبیہی لہجے میں کہا۔ ''یوسف! تم نے جو بیان دیا ہے اس کی تصدیق پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بعد ہی ہو سکے گی لیکن......''

''جناب! عارف کی موت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''میں نے اپنی جان بچانے کے لیے اسے دھکا دیا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ اتنی شدت سے دیوار کے ساتھ جا ٹکرائے گا کہ اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ وہ کیا کہتے ہیں جناب...... حفاظت خود اختیاری......!''

''وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں، مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔'' میں نے ڈانٹ سے مشابہ لہجے میں کہا۔ ''عارف کی پوسٹ مارٹم رپورٹ سب کچھ کھول کر بیان کر دے گی۔ اگر تم نے واقعی اپنی جان کو بچانے کے لیے اسے دھکا دیا تھا اور اس دھکے کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہوئی ہے تو یہ بات چھپی نہیں رہے گی اور اس صورت میں ظاہر ہے، تم بے قصور قرار پاؤ گے لیکن اس سے پہلے اس بات کا فیصلہ کیا جائے گا کہ عارف کا تم پر شک درست تھا یا غلط۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''جی میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی جناب۔ میں دو چار مرتبہ یا تو عارف ہی کے پیچھے اس کے گھر گیا ہوں یا پھر آخری چند دنوں میں [illegible] جانے کا اتفاق ہوا ہے اور وہ بھی شاہدہ کو سمجھانے کے لیے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائے۔ میں نے اسے عارف کے خطرناک عزائم سے بھی آگاہ کیا تھا لیکن افسوس کہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی......!''

میں نے پوچھا۔ ''کیا شاہدہ نے داؤد کے حوالے سے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا تھا؟''

''نہیں جناب، وہ تو سرے سے انکاری تھی'' اس نے جواب دیا۔ ''اسی لیے میری نصیحت کا بھی اس پر اثر نہیں ہوا لیکن جہاں تک عارف کے مجھ پر شک کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں، یہ سراسر اس کی غلط فہمی تھی...... میں ایسا بندہ نہیں ہوں جناب!''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''داؤد کی باتیں میں داؤد ہی سے کروں گا اور جب تک دونوں میاں بیوی کی پوسٹ مارٹم رپورٹس نہیں آ جاتیں، تم سرکاری مہمان نوازی کا لطف اٹھاؤ گے!''

''مہمان نوازی!'' وہ خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''لیکن میں نے تو سن رکھا ہے کہ آپ مہمان نوازی کے نام پر......''

''تمہارے ساتھ فی الحال ایسا کچھ نہیں ہوگا!'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ ''جب تک تم قصوروار ثابت نہیں ہو جاتے، تم بڑے آرام سے حوالات

میں وقت گزار سکتے ہو۔“

وہ بے حد مطمئن اور پُرسکون نظر آنے لگا۔

میں نے عارف کی لاش کو اسپتال بھجواتے وقت خصوصی ہدایت کردی تھی کہ اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ، شاہدہ کی رپورٹ کے ساتھ ہی بھیجی جائے۔ اس ہدایت کی روشنی میں انہوں نے عارف کا پوسٹ مارٹم ہنگامی بنیادوں پر کرنا تھا۔

آئندہ روز دوپہر کے بعد شاہدہ اور عارف کی پوسٹ مارٹم شدہ لاشیں ابتدائی رپورٹس کے ساتھ آگئیں۔ میں نے نہایت ہی باریک بینی سے باری باری دونوں رپورٹس کا مطالعہ کیا۔

شاہدہ کی رپورٹ کے مطابق، اس کی موت آٹھ اکتوبر کی صبح چار اور پانچ بجے کے دوران واقع ہوئی تھی۔ اسے حالتِ نیند میں شہ رگ کاٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ عارف کی پوسٹ مارٹم رپورٹ اس کی موت کا وقت سات اور آٹھ بجے کے درمیان بتاتی تھی اور موت کا سبب کنپٹی اور سر میں لگنے والی شدید چوٹیں تھیں۔ یہ مہلک چوٹیں اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی تھیں۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹس کی روشنی میں یوسف حلوائی کا بیان درست نظر آتا تھا لہٰذا میں نے اسے چھوڑ دیا اور تنبیہی انداز میں کہا۔

”یوسف! عارف اور شاہدہ کے رشتے داروں میں تم ہی ایک باقی ہو اس لیے ان کے کفن دفن کا بندوبست بھی تمہیں ہی کرنا ہے لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا کہ ابھی اس کیس کی تفتیش مکمل نہیں ہوئی۔ جب تک داؤد میرے ہتھے نہیں چڑھ جاتا، تم بخت پور سے باہر کہیں نہیں جاؤ گے...... اور اگر جانا بہت ہی ضروری ہوا تو تم پیشگی مجھے مطلع کرو گے؟“

”ٹھیک ہے جناب...... میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔“ اس نے بڑی فرماں برداری سے کہا۔

اس جوڑے کی تدفین کے تین روز بعد میں نے داؤد کو پکڑ لیا۔ وہ بخت پور سے چک عمر گیا تھا پھر وہاں سے کسی الیاس گھسن نامی شخص کے ہمراہ بدری وال پہنچ گیا تھا۔ بدری وال سے مجھے پتا چلا کہ وہ اور الیاس گھسن، نذیر نامی ایک بندے کے ساتھ موضع نورچمن چلے گئے تھے۔ داؤد کو میں نے نورچمن سے گرفتار کیا۔

جب داؤد کو تفتیش کی چکی میں پیسا گیا تو اس نے شاہدہ کے ساتھ اپنے تعلقات کا اقرار کرلیا۔ میں نے جب اس سے کہا کہ اس کی حرکتوں کے باعث ایک گھر اجڑ گیا تو وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

”تھانیدار صاحب! جو لوگ اپنے گھر...... اور اس گھر میں بسنے والوں کی جائز ضروریات کا خیال نہیں رکھتے، ان کا انجام ایک دن ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس غیرت بند کو بہت دیر سے ہوش آیا......“

میں نے داؤد کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور غصیلے لہجے میں کہا۔ ”عارف ایک اتفاقی حادثے میں چل بسا ورنہ شاہدہ کے بعد تمہارا نمبر تھا۔ وہ تمہیں کسی قیمت پر چھوڑنے والا نہیں تھا۔ اور جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ وہ غیرت بند تھا یا غیرت مند، اس بات کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا لیکن فی الحال میں تمہارا منہ بند کرنے کا بندوبست کرتا ہوں بدبخت انسان!“

یہ بات سامنے آگئی تھی کہ داؤد کا براہِ راست ان دونوں میاں بیوی کی موت سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن بہرحال، اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں تھا کہ عارف نے جو سنگین قدم اٹھایا تھا اس کا محرک یہی شیطان داؤد ہی بنا تھا۔ عارف کو اپنی بیوی کی بے وفائی کے حوالے سے داؤد اور یوسف حلوائی پر شک تھا۔ عارف کے پڑوسی صداقت علی نے بھی کچھ اسی قسم کے شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا مگر میری پوچھ تاچھ کے نتیجے میں یوسف نے اپنی صفائی پیش کردی تھی البتہ، داؤد کے اقبالِ جرم نے مجھے اس کے خلاف قانونی کارروائی کا موقع فراہم کردیا۔

داؤد اس علاقے کا ایک سکہ بند غنڈا تھا اور مخلوق خدا اس کے شر سے بڑی پریشان تھی۔ تفتیش کے دوران اس نے اپنے بہت سے کارناموں کا اعتراف بھی کیا تھا۔ ویسے عارف اور شاہدہ والے معاملے میں اس نے جو کردار ادا کیا تھا وہ کسی بھی طور نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا لہٰذا اس کی ”اصلاح“ اور لوگوں کے سکون وآرام کے لیے میں نے اسے کچھ عرصے کے لیے جیل بھیج دیا۔

عارف ایک غیرت مند انسان تھا یا غیرت بند، اس کا فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں البتہ داؤد غنڈے کے یہ الفاظ بہت اہمیت کے حامل ہیں...... جو لوگ اپنے گھر اور گھر میں بسنے والوں کی جائز ضروریات کا خیال نہیں رکھتے، ان کا انجام ایک دن ایسا ہی ہوتا ہے۔

عارف، شاہدہ کی جائز ضروریات پوری کرنے میں ”ناکام“ تھا اور شاہدہ کی بے راہ روی میں اس محرومی نے سب سے خطرناک کردار ادا کیا تھا!

(تحریر: حسام بٹ)